

ٱقْرَأْ بِٱسْمِ رَبِّكَ ٱلَّذِى خَلَقَ



سہ ماہی برقی مجلہ جلد/1، شمارہ/2(اپریل، مئی، جون)2024

پیغام حیات

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ ٱلصِّيَامُ
كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُونَ﴾[البقرة ١٨٣]

اے ایمان والوں تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم تقوی اختیار کرو۔





زیر نگرانی

آزاد ہند ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ

Email: ahindeduweltrust8623@gmail.com
Regd: 86/23

اقرء بسم ربك الذی خلق

سہ ماہی برقی مجلّہ

پیغام حیات

جلد/1 شمارہ/2

اپریل، مئی، جون ۲۰۲۴م

رمضان، شوال، ذوالقعدۃ1445ھ

آزاد ہند ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ
AZAD HINDEDUCATIONAL AND WELFARE TRUST

بھیماپار، سدھارتھ نگر، یوپی، الہند
BHIMA PAR, SIDDHARTH NAGAR,UP,INDIA272207.

EMAIL: ahindeduweltrust8623@gmail.com
+918765201088

پیغام حیات

درس قرآن

ماہ رمضان

خلیق اللہ سمیع اللہ
متعلّم: جامعہ اسلامیہ مدینہ منورۃ

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم.

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ . [سورہ بقرہ](185)

ترجمہ۔ ماہ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کے لیے سراسر ہدایت کا سر چشمہ اور جس میں ہدایت اور حق و باطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے تو اسے چاہئے کہ وہ روزہ رکھے، ہاں جو بیمار ہو یا مسافر ہو اسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی چاہئے اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں وہ چاہتا ہے تم گنتی پوری کرلو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس طرح کی بڑائیاں بیان کرو اور اس کا شکر ادا کرو۔

مختصر تفسیر۔

(شَهرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ---)اس آیت میں ماہِ رمضان کی عظمت وفضیلت کا بیان ہے اور اس کی دو اہم ترین فضیلتیں ہیں، پہلی یہ کہ اس مہینے میں قرآن اترا اور دوسری یہ کہ روزوں کے لئے اس مہینے کا انتخاب ہوا، ماہ رمضان کی عظمت وفضیلت کی سب سے بڑی دلیل رب جلیل نے یہ

دی ہے کہ اس مہینے میں قرآن نازل کیا گیا، جس میں قوموں کی رشد وہدایت اور ان کی اصلاح وفلاح کا نہایت ہی جامع پروگرام دیا گیا ہے۔ یہ ہدایت اتنی واضح اور اس کے دلائل اس قدر روشن ہیں کہ اس سے بہتر رہنمائی کوئی اور نہیں کر سکتا اور نہ ہی کسی صحیح فلسفۂ حیات کی تائید کے لئے اس سے قوی دلائل پیش کیے جا سکتے ہیں۔ جو نہی قرآن مجید کے دلائل فکری اور عملی میدان میں پیش کیے جاتے ہیں تو کوئی بھی ذی شعور اور سلیم الفطرت انسان قرآنی ہدایت اور اس کے دلائل کے سامنے سر جھکائے بغیر نہیں رہ سکتا، اس لیے قرآن کو "اَلفُرقَانَ" بھی کہا گیا ہے۔ یعنی ایسی کتاب جو حق وباطل اور کھرے کھوٹے میں امتیاز پیدا کردے۔ معلوم ہوا کہ یہ ایک ایسا عظمت والا مہینہ ہے جس میں ہمیں اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل حاصل ہوا، یعنی قرآن کریم جو ہمارے لئے دینی اور دنیاوی مصالح کی طرف رہنمائی پر مشتمل ہے، جو حق کو نہایت ہی وضاحت سے بیان کرتا ہے۔

یہ وہ مہینہ جس کی یہ فضیلت ہو جس میں تمام انسانیت پر اللہ تعالیٰ کا اس قدر احسان اور فضل ہو، اس بات کا مستحق ہے کہ وہ بندوں کے لیے نیکیوں کا مہینہ بنے اور اس کے اندر روزے فرض کیے جائیں، جب اللہ تعالیٰ نے اس مہینہ کو روزوں کے لیے مقرر کردیا اور اس نے اس کی فضیلت اور روزوں کے لیے اس کو مختص کرنے کی حکمت کو واضح کردیا، تو فرمایا "(فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشهرَ فَلْيَصُمْهُ) پس جو تم میں سے اس مہینے کو پالے، تو وہ اس کے روزے رکھے" اس آیت کریمہ میں یہ بات متعین کردی گئی کہ ہر صحت مند شخص جو سفر میں نہ ہو اور مریض نہ ہو (روزے رکھنے کی طاقت رکھتا ہو) تو وہ رمضان کے روزے رکھے۔

(يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ: اللہ تعالی تم پر آسانی چاہتا ہے) اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت ہم پر فرض فرمائی لیکن اپنی رحمت سے ہم پر تنگی نہیں کی بلکہ آسانی فرماتے ہوئے متبادل بھی عطا فرمایا، روزہ فرض کیا

لیکن رکھنے کی طاقت نہ ہو تو بعد میں رکھنے کی اجازت دے دی اور بعض صورتوں میں فدیہ کی اجازت بھی عنایت فرمائی۔

قارئین کرام: اسلام کے پانچ بنیادی ارکان کا عملی پہلو سامنے رکھیں تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح نمایاں ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تکلیف مالا یطاق سے بچانے کے لیے اسلام کے تمام احکام اور مسائل میں نرمی اور آسانی کے پہلو کو سامنے رکھا ہے، علی سبیل المثال نماز ہی کو لے لیجیے جو ہر بالغ عاقل مسلمان پر فرض ہے لیکن اس میں کتنی رعایتیں دی گئی ہیں تاکہ آدمی فرض ادا کرنا چاہے تو کوئی بھی رکاوٹ اس کے سامنے حائل نہ ہوسکے، کھڑا ہو کر نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر نماز ادا کرلے، اگر بیٹھنا دشوار معلوم ہو تو لیٹ کر ادا کرسکتا ہے، لیٹنے کی حالت میں چہرہ قبلہ کی جانب نہیں ہو سکتا تو ارشاد فرمایا کہ میرے بندے! تجھے افسردہ ہونے کی چنداں ضرورت نہیں تیرا چہرہ جس جانب بھی ہوگا، میری نظرِ کرم اسی طرف اس کے استقبال میں ہوگی، اسی طرح تمام امور وعبادات میں رب العالمین نے (لا یکلف اللہ نفسا الا وسعها) کا فرمان جاری کرتے ہوئے شریعت میں آسانی کا پروانہ عطا فرمادیا، یہ آسانیاں اور مہربانیاں اس لیے ہیں تاکہ مسلمان حتی المقدور اللہ کے احکام و اوامر پورے کرسکیں۔ الغرض یوں غور کریں تو آیت کا معنیٰ روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم پر آسانی چاہتا ہے، وہ ہم پر تنگی نہیں چاہتا، اسی لئے اس نے لوگوں کی مجبوریوں اور عذر کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے ضابطوں میں نرمی اور ترمیم فرمائی ہے۔

(وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللهَ...) اور جس ہدایت سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں سرفراز کیا ہے، اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار واعتراف کرو اور شکر گزار بندہ بنو۔ نیز حکم دیا گیا کہ روزوں کے مکمل ہونے

پر بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی توفیق، سہولت اور پر آسانیوں کا شکر ادا کیا جائے، رمضان کے اختتام اور روزوں کے پورے ہونے پر تکبیریں کہی جائیں۔

مسائل:

1۔ قرآن مجید رمضان المبارک میں نازل ہوا۔

2۔ قرآن مجید انسانیت کے لئے سر چشمہ حیات ہے،

3۔ یہ حق و باطل میں امتیاز کرنے والا ہے۔

4۔اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ سختی کرنے کے بجائے نرمی اختیار کرتا ہے۔

5۔ ہدایت نصیب ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

مستفاد۔۔

تفسیر طبری، تفسیر سعدی، تفسیر احسن البیان، تفسیر ابن کثیر

درس حدیث

صیام رمضان کی فضیلت

محمد سلیم علاء الدین
متعلّم: جامعہ نجران

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «من صَام رمضان إيمَانًا واحْتِسَابًا، غُفِر له ما تَقدَّم من ذَنْبِه» [متفق علیہ] صحیح البخاری:2014، صحیح مسلم:760

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " جس نے ایمان اور ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے تمام گناہوں کو بخش دے گا۔

حدیث کا مفہوم:

جو شخص اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے، اس کے وعدے کی تصدیق کرتے ہوئے، اس سے ثواب کی نیت اور اس کی خوشنودی کے حصول کے لیے رمضان کے مہینے کے روزے رکھتا ہے تو اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

فوائد الحدیث:

(۱) رمضان کے روزہ کی اہمیت کا بیان جو شخص اس میں روزے رکھے گا، تو اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے.

(۲) ماہ کی اضافت کے بغیر صرف ”رمضان“ کہنے کا جواز۔

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ حدیث میں مذکور گناہوں کی مغفرت اور بخشش تین امور کے ساتھ مشروط ہے :

1 -رمضان کا روزہ اللہ پر ایمان اور اللہ نے جو روزہ داروں کے لئے اجر کثیر تیار کر رکھا ہے اس پر بھی ایمان لانا اور تصدیق کرنا.

2 -رمضان کا روزہ خالص اللہ کے لیئے اس سے اجر و ثواب کی امید رکھتے ہوئے رکھا جائے -

3 -کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرے (کبیرہ گناہ وہ گناہ ہے جس پر دنیا میں کوئی حد یا آخرت میں کوئی وعید سنائی گئی ہو مثلاً: سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، زنا، جادو، قتل، والدین کی نافرمانی قطع رحمی بیع میں دھوکا دھڑی وغیرہ) تو جب انسان ان تمام شروط کی پاسداری کرتے ہوئے روزہ رکھے گا تو اللہ اس کے گناہ معاف فرمادے گا.

اللہ رب العالمین کی بتائی ہوئی اور مشروع کردہ کوئی بھی چیز فائدہ اور حکمت سے خالی نہیں ہے گرچہ ہمیں ان چیزوں کا علم نہ ہو اسی طرح روزہ جو کہ اسلام کا ایک رکن ہے اسکے بہت سے فوائد ہیں۔ طوالت سے بچتے ہوئے ان میں سے کچھ فوائد آپ قارئین کے سامنے پیش کر رہا ہوں.

فوائد صیام:

1 - تقوی کا حصول: جب انسان کا نفس اس کو اللہ کی رضا اور اس کے عذاب سے خوف کی وجہ سے دوران صیام حلال چیزوں کے کھانے، پینے سے باز رکھتا ہے تو حرام چیزوں سے بدرجہ اولی باز رکھے گا تو اس طرح سے یہ روزہ تقوی کے حصول کا باعث ہو گا اللہ کا فرمان ہے۔۔۔لعلکم تتقون

2-روزہ سے انسان کا نفس شہوت سے دوری اختیار کرلیتا ہے کیونکہ جب انسان آسودہ ہوتا ہے تو شہوت کی جانب مائل ہونے کا زیادہ امکان ہوتا ہے اور جب بھوکا رہتا ہے تو شہوت کم پائی جاتی ہے

3 -انسان اپنے نفس پر قابو پالیتا ہے۔

4 -روزہ مسکینوں پر رحمت و شفقت کا باعث ہے۔

5 -روزہ میں صبر کی جملہ اقسام اکٹھا ہو جاتی ہیں (اللہ کی اطاعت پر صبر اور وہ روزہ ہے، اللہ کے محارم سے رک جانے پر صبر اور وہ مفطرات ہیں اور اللہ کی تکلیف دہ تقدیر پر صبر کرنا اور وہ بھوک و پیاس ہے) تو روزہ دار کو صابرین کا اجر حاصل ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: (**إنما يوفى الصابرون أجرهم بغير حساب**) (الزمر/۱۰)

اللہ سے دعا ہے کہ الہ العالمین ہم سب کو روزہ کی فرضیت کو سمجھتے ہوئے خالص اللہ کے لئے روزہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اداریہ

مساجد کی بازیابی کیسے ؟

← مدیر

اللہ کی بندگی کے لیے مخصوص و مقرر جگہوں کو مساجد کہا جاتا ہے۔ مساجد اللہ کی محبوب ترین جگہیں، سعادت مندی اور رحمت و برکت کا منبع ہیں، عبادت و بندگی کا مظہر اور امن و سلامتی کا گہوارہ ہیں جہاں بندے کو اللہ کی قربت کا شرف حاصل ہوتا ہے، جہاں سے مؤذن اپنی آواز "اللہ اکبر اللہ اکبر، اشہد ان لا الہ الا اللہ۔۔۔ کے ذریعہ پوری دنیا کو یہ پیغام دیتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی حقیقی معبود نہیں اس کے علاوہ جتنے بھی معبود بنائے گئے ہیں سب جھوٹے ہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ و سلم اللہ کے سچے پیغمبر ہیں، انہیں کی بتلائی ہوئی تعلیمات تمام انسانیت پر لاگو ہے، جہاں سے حی علی الصلاۃ ، حی علی الفلاح کی صدائیں معاشرہ کو فلاح و بہبود کی طرف بلاتی ہیں۔

مساجد زمین کی وہ مقدس جگہیں ہیں جن سے دل لگانے والا بندہ قیامت کے دن اللہ کے عرش کے سائے میں ہوگا، یہ مساجد معاشرہ کی اصلاح کے مراکز ہیں جہاں اللہ کی عبادت، تلاوت قرآن، دینی تعلیم، دعوت کے امور اور دیگر اعمال خیر انجام پاتے ہیں جن کے بارے میں رب تعالیٰ نے فرمایا: "وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا" (سورۃ الجن: 18) یعنی مسجدیں اللہ کی ملکیت ہیں لہٰذا اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو۔

الغرض معاشرہ میں مساجد کی بہت اہمیت ہے یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے مدینہ پہونچتے ہی سب سے پہلے مسجد کی بنیاد رکھی۔

مساجد سے محبت کرنا، ان کی حرمت و عظمت کی پاسداری کرنا، دشمنوں کی ناپاک سازشوں سے ان کی حفاظت کرنا، انہیں اپنی عبادت کے ذریعہ آباد کرنا تمام مسلمانوں کی اول ذمہ داری ہے مگر افسوس کہ آج کا مسلمان اپنی اس ذمہ داری کو بھلا بیٹھا ہے، جن مسلمانوں کو اپنے اوقات مسجد میں گذارنا چاہیے وہ کلبوں اور ہوٹلوں میں تو ضائع کر دیتے ہیں پر چند منٹ کے لیئے مسجد نہیں آتے، جو مسجدیں مسلمانوں کے سجدے سے آباد ہونی چاہیئے وہ آج ویران پڑی ہیں، مسجدوں سے قریب ہونے کے بجائے دور ہوتے جارہے ہیں، مسجدوں سے جوں جوں دوری بڑھتی جارہی ہے دشمنان اسلام مسجدوں پر قبضہ کرنے اور انہیں ویران کرنے کی ناپاک سازشیں رچتے جارہے ہیں، اس وقت جس طرح سے مساجد پر قبضہ کرنے کی کوششیں ہورہی ہیں وہ ہم سب کے علم و نظر میں ہے، مسجد اقصیٰ جو کہ مسلمانوں کا قبلۂ اول رہ چکی ہے اس پر قبضہ کرنے کے لیے نہ جانے کیا کیا تدبیریں کی جارہی ہیں، کتنے معصوم بچوں اور عورتوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور کتنوں کے لیے گھاٹ کھودے جارہے ہیں، ہندوستان کی قدیم مسجد بابری مسجد میں ظالموں اور فسادیوں نے دن دہاڑے بتوں کو رکھ کر مندر ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنی طاقت و حکومت کے زور پر سپریم کورٹ کے جج سے جبراً اپنے حق میں فیصلہ لے کر مسجد کی جگہ مندر تعمیر کر کے اپنے ظلم و تعدی، رذالت اور ناانصافی کا ثبوت دیا۔

ایک منصوبہ بندی کے تحت سماج و معاشرہ کے زہریلے جراثیم گیان واپی مسجد، متھرا مسجد اور ان جیسی بے شمار مسجدوں کے سلسلے میں سازشیں رچ رہے ہیں، ان کا اپنا ہونے کا دعویٰ ٹھوک رہے ہیں، کسی مسجد پر کیس چل رہا ہے تو کوئی تالا بند ویران پڑی ہے، اگر راستوں میں مندر آڑے آئے تو راستہ تبدیل ہو جاتا ہے پر مسجدیں راستے سے ہٹادی جاتی ہیں۔ صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ عالمی

پیمانہ پر دیکھا جائے تو بہت سی ایسی مساجد ملیں گی جن میں مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے روکا جارہا ہے، توکسی میں بمباری ہو رہی تو کوئی گرائے جانے کے کگار پر ہے ایسی نازک صورت حال میں مساجد کی حفاظت اور ان کی بازیابی کی کوشش لازمی اور ضروری ہے۔ پر سوال یہ ہے کہ مسجدوں کی بازیابی اور حفاظت کیسے ہو سکتی ہے؟

اس کے لیے سب سے پہلے ہم اپنے ایمان و عقیدہ کو مضبوط کریں اور مشکل سے مشکل حالات میں بھی مایوس نہ ہوں بلکہ اللہ تعالی پر بھروسہ رکھتے ہوئے حکمت وتدبیر اپنائیں، اور یہ یقین رکھیں کہ ہر مشکل کے بعد آسانی کا دور آتا ہے؛ کیوں کہ مسجدوں پر قبضہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے بھی دنیا کی سب سے عظیم اور بابرکت مسجد خانۂ کعبہ پر بھی مشرکوں کا قبضہ رہا، اس میں تین سو ساٹھ بت موجود تھے لیکن اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان تمام گندگیوں سے خانہ کعبہ کو پاک کیا۔

مسجد اقصی کی تاریخ بہت پرانی ہے، یہ مسجد کسی زمانہ میں رومیوں کے قبضہ میں تھی لیکن زمانے نے کروٹ لی اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسجد اقصی کو ان کے چنگل سے آزاد کرایا۔ کئی سالوں بعد عیسائیوں نے پھر سے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا لیکن صلاح الدین ایوبی نے اسے آزادی دلائی۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ جہاں مسجد بن گئی وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی، وہ کسی کی جاگیر نہیں ہو سکتی۔ اللہ سے امید و یقین ہے کہ زمانہ رخ بدلے گا تمام کی تمام مسجدیں مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوں گی لیکن شرط یہ ہے کہ ہم اپنے ایمان کو مضبوط کریں اور صبر و تقویٰ سے کام لیں؛ کیوں کہ یہ ایسی صفات ہیں کہ جس کے ہوتے ہوئے کسی دشمن کی سازش کامیاب نہیں ہو سکتی فرمان الہی ہے: وَلَا تَهِنُوا

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (آل عمران: 139) کمزور مت بنو اور نہ غمگین ہو تم ہی غالب رہو گے اگر تم سچے مومن ہو۔

دوسری جگہ فرمایا: "وَإِن تَصْبِرُواْ وَتَتَّقُواْ لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا" (آل عمران: ۱۲۰) 'تم اگر صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان (مشرکین) کا مکر تمہیں کچھ نقصان نہ دے گا۔'

مسجدوں کی بازیابی کا راز یہ بھی ہے کہ ہم مسجدوں سے رشتہ جوڑیں، اپنی عبادت سے مسجدوں کو آباد کریں ہم بابری مسجد کے کھو جانے کا ماتم تو مناتے ہیں پر ہمارے محلے کی مسجدیں خالی پڑی رہتی ہیں، جس مسجد پر قبضہ نہیں اس کے لیئے خوب جد و جہد تو کرتے ہیں پر جن مسجدوں پر قبضہ ہے اسے آباد کرنے کے لیے ہمارے پاس وقت نہیں۔ صرف احتجاج و مظاہرہ کرنے لینے سے، سیاہ دن منا لینے سے، دشمنوں پر لعنت بھیجنے سے مسئلہ کا حل نہیں ہونے والا حتی کہ خود اسلامی احکام کی پیروی کرنے لگیں۔

پانچوں وقت تمام مسلمانوں کو مسجد میں حاضری دینی ہوگی؛ تاکہ مسلمانوں کی یہ یکتائی اور اجتماع دیکھ کر دشمن تھرا جائے، مسجد پر غلط نظر ڈالنے کے لیے ہزار بار سوچے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں، مسلمانوں کے حقوق کی پاسداری کریں، صرف رزق حلال کو ہی اپنا نوالہ بنائیں اور حرام کمائی سے مکمل اجتناب کریں، صوم وصلاۃ کی پابندی، زکاۃ و صدقات کی ادائیگی میں بھرپور حصہ لیں، ظلم و بربریت اور حقوق کی پامالی سے اجتناب کریں، برے حالات کو تبدیل کریں کیونکہ اللہ کا قانون ہے: إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ (رعد: 11) حالات اس وقت تک تبدیل نہیں ہو سکتے جب تک خود میں تبدیلی نہیں آجاتی۔ اللہ ہم تمام لوگوں کو صراط مستقیم پر گامزن کرے آمین۔

رمضان ماہ قرآن

محمد صادق عتیق الرحمٰن
متعلّم: جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

روزہ اسلام کا ایک بنیادی رکن ہے اور رمضان المبارک اسلامی سال کا نواں مہینہ ہے یہ مہینہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں،برکتوں،کامیابیوں اور کامرانیوں کا مہینہ ہے،اپنی عظمتوں اور برکتوں کے لحاظ سے دیگر مہینوں سے ممتاز ہے،رمضان المبارک وہی مہینہ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی آخری آسمانی کتاب قرآن مجید کا نزول لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر ہوا۔ماہ رمضان میں اللہ تعالی جنت کے دروازے کھول دیتا ہے اور جہنم کے دروازے بند کر دیتا ہے اور شیطان کو جکڑ دیتا ہے تاکہ وہ اللہ کے بندے کو اس طرح گمراہ نہ کر سکے جس طرح عام دنوں میں کرتا ہے اور یہ ایک ایسا مہینہ ہے جس میں اللہ تعالی خصوصی طور پر اپنے بندوں کی مغفرت کرتا ہے اور سب سے زیادہ اپنے بندوں کو جہنم سے آزادی کا پروانہ عطا کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز سورۃالعلق کی ابتدائی پانچ آیات "اِقْرَأْ بِسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ..." سے ہوا۔اس کے بعد آنے والی سورتوں میں سے ایک سورۃالقدر ہے جس میں اللہ رب العالمین نے بیان کیا کہ : إنا أنزلناه في ليلة القدر؛قرآن کریم کو ہم نے شب قدر میں نازل کیا،اسی طرح سورۃالدخان میں فرمایا:إِنَّا اَنْزَلْنَاه فِیْ لَیْلَةَ مُّبَارَکَةَ(الدخان: ۳) یعنی ہم نے اس کتاب کو ایک مبارک رات میں اتارا ہے،یعنی رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن کریم نازل ہوا،مزید وضاحت کرتے ہوئے اللہ رب العالمین نے قرآن مقدس میں نزول قرآن کے متعلق

گواہی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: شهر رَمَضَانَ الَّذِیٓ اُنْزِلَ فِيْه الْقُرْاٰنُ هدى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الهدى وَالْفُرْقَانِ---(البقرہ۱۸۵:۲)

رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہِ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہے،

ان آیات میں یہ مضمون صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ قرآن کریم کا نزول رمضان المبارک میں ہوا، غرض یہ کہ قرآن وحدیث میں واضح دلائل ہونے کی وجہ سے اُمتِ مسلمہ کا اتفاق بھی ہے کہ قرآن کریم لوح محفوظ سے سماء دنیا پر رمضان کی مبارک رات میں ہی نازل ہوا، اس طرح رمضان اور قرآن کریم کا خاص تعلق روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ اور اس لحاظ سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم اور رمضان المبارک کے مابین بہت گہرا تعلق ہے، نفس موضوع کے اندر رمضان المبارک اور قرآن کریم کے چند ایک مشترکہ خصوصیات اور اس سے خاص تعلق کو قارئین کے سامنے اجاگر کرنے کی کوشش کروں گا۔

سب سے پہلی اور اہم خصوصیت جو رمضان المبارک اور قرآن کریم کے درمیان مشترک ہے وہ تقوی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ، **ترجمہ**: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ (البقرۃ: ۱۸۳) "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" میں اشارہ ہے کہ زندگی میں تقویٰ پیدا کرنے کے لیے روزہ کا بڑا اثر ہے۔ اور اسی ماہِ مبارک کی ایک بابرکت رات میں قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی رشد وہدایت فلاح وکامرانی کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو آسمان دنیا پر نازل کیا، جس سے

استفادہ کی بنیادی شرط بھی تقویٰ ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: **ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ**: (سورۃالبقرۃ:2) **ترجمہ**: یہ ایک کتاب (قرآن) ہے اس میں کوئی شک نہیں، اور متقیوں کے لیے سراسر ہدایت ہے، غرض یہ کہ رمضان اور قرآن کریم کے بنیادی مقاصد میں تقویٰ مشترک ہے۔

یہ قرآن کریم اور رمضان کی پہلی اور اہم مشترک خصوصیت ہے، جیسا کہ قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں ذکر کیا گیا۔

رمضان المبارک اور قرآن کریم میں دوسری مشترک خصوصیت شفاعت ہے، قرآن کریم بروز قیامت اپنے تلاوت کرنے والے کے حق میں خود شفیع بن کر آئے گا، چنانچہ نبی ﷺ کی حدیث ہے: عن ابی امامة رضی الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: اقْرَؤوا القرآنَ،فإنه يأتي يومَ القيامةِ شفيعًا لأصحابه،(صحیح مسلم:804)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: قرآن پڑھا کرو، اس لیے کہ قیامت کے دن یہ اپنے پڑھنے والے کے لئے سفارشی بن کر آئے گا۔

اسی طرح روزہ بھی قیامت کے دن بندے کے حق میں یہ سفارش کرے گا کہ اس کے درجات بلند کردئے جائیں اور اس کے گناہ مٹا دئے جائیں، حدیث ہے، عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنهما، أن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال : الصيامُ والقرآنُ يَشْفَعانِ للعبدِ، يقولُ الصيامُ : أَيْ رَبِّ إني مَنَعْتُهُ الطعامَ والشهواتِ بالنهارِ، فشَفِّعْني فيه. **(أخرجه أحمد (6626) هذا حديث صحيح على شرط مسلم ، ولم يخرجه)**

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روزہ اور قرآن قیامت کے دن بندے کے حق میں سفارش کریں گے روزہ کہے گا: اے میرے پروردگار! میں نے اسے کھانے پینے اور شہوت کی چیزوں سے باز رکھا اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما پس قرآن کریم اور روزہ کی شفاعت قبول کرلی جائے گی۔

تیسری خصوصیت جو رمضان المبارک اور قرآن کریم دونوں میں مشترک طور پر پائی جاتی ہے، وہ قربِ الٰہی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت کے وقت اللہ تعالیٰ سے خاص قرب حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہم کو قرآن کریم کی عظیم نعمت سے نوازا ہے ہمیں اسے پڑھنے اور اس میں تدبر و تفکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے ہم جتنا اس میں تدبر و تفکر کریں گے اتنا ہی ہمیں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا، قرآن کریم کی تلاوت سے زیادہ کسی چیز میں اللہ عزوجل کا تقرب حاصل نہیں ہو سکتا اس کے ذریعہ ہی اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے واقفیت اور شریعت کے احکام و اوامر سے مطلع ہو سکتے ہیں ہم اس کتاب میں غور و فکر کر کے ہی اس سے سچی محبت کرنے والے بن سکتے ہیں،

ایسے ہی روزہ دار کو بھی اللہ تعالیٰ کا خاص قرب حاصل ہوتا ہے، حدیث قدسی میں ہے،

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :قال الله عز وجل: كلُّ عَمَل ابن آدَم له إلا الصيام،فإنه لي وأنا أجْزِي به، والصيام جُنَّة،(متفق علیہ)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: انسان کا ہر عمل اس کے لیے ہے، سوائے روزے کے کہ وہ صرف میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا، اور روزہ ایک ڈھال ہے۔

مضمون کی طوالت سے بچنے کے لیے قرآن ورمضان کی صرف تین مشترک خصوصیات کے ذکر پر اکتفاء کرتا ہوں۔

قرآن کریم کو رمضان المبارک سے خاص تعلق اور گہری خصوصیت حاصل ہے، چنانچہ رمضان المبارک میں اس کا نازل ہونا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رمضان المبارک میں تلاوتِ قرآن میں شغل نسبتاً زیادہ رکھنا، حضرت جبرئیل علیہ السلام کا رمضان المبارک میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کا دور کرانا، جیسا کہ احادیث میں وارد ہے کہ ہر سال ماہِ رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کے نازل شدہ حصوں کا دور کرتے تھے، اور جس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا اس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار قرآن کریم کا دور فرمایا، (بخاری و مسلم) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلاف امت کا رمضان میں تلاوت قرآن کا خاص اہتمام کرنا، یہ سب امور اس خصوصیت کو ظاہر کرتا ہے۔

اسی طرح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام، تابعین عظام و تبع تابعین رحمہم اللہ رمضان المبارک میں قرآن کریم کے ساتھ خصوصی شغف رکھتے تھے۔ بعض اسلاف کے متعلق آتا ہے کہ وہ رمضان المبارک میں دیگر مصروفیات کو چھوڑ کر صرف اور صرف تلاوتِ قرآن میں دن ورات کا وافر حصہ صرف کرتے تھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے حدیث کی مشہور کتاب "موطا مالک" تحریر فرمائی ہے، جو مشہور فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بڑے محدث بھی ہیں، لیکن رمضان شروع ہونے پر حدیث پڑھنے، پڑھانے کے سلسلہ کو بند کرکے دن ورات کا اکثر حصہ تلاوتِ قرآن میں لگاتے تھے۔ اسلاف سے منقول ہے کہ وہ ماہِ رمضان اور خاص کر آخری عشرہ میں تین دن یا ایک دن میں قرآن کریم مکمل کرتے تھے۔

رمضان کے مبارک مہینہ میں اسلاف کے متعلق کثرت سے تلاوت قرآن کریم کے اتنے واقعات سیرت میں مذکور ہیں کہ ان تمام کا احاطہ اس مختصر مضمون میں نہیں کیا جاسکتا۔لہٰذا اس مبارک مہینہ میں زیادہ سے زیادہ ہمیں اپنا وقت قرآن کریم کی تلاوت میں لگانا چاہیئے، اس ماہ میں کثرت سے تلاوتِ قرآن میں مشغول رہنا چاہیے۔

ماہِ رمضان کا قرآن کریم سے خاص تعلق ہونے کی سب سے بڑی دلیل جیسا کہ شروع میں ذکر کیا قرآن کریم کا ماہِ رمضان میں نازل ہونا ہے۔اس مبارک مہینے کی ایک بابرکت رات میں اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ سے سماء دنیا پر قرآن کریم کو نازل فرمایا اور اس کے بعد حسبِ ضرورت تھوڑا تھوڑا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا اور تقریباً ۲۳/سال کے عرصہ میں قرآن کریم مکمل نازل ہوا۔

اسی طرح رمضان المبارک کا قرآن کریم کے ساتھ خاص تعلق کا مظہر نمازِ تراویح بھی ہے، جو عام دنوں میں قیام اللیل اور تہجد کے نام سے معروف ہے، اسی وجہ سے قرآن اور ماہ رمضان میں ایک خاص ربط پایا جاتا ہے، جیسے موسم بہار میں انسان کا مزاج سرسبز وشاداب رہتا ہے، اسی طرح قرآن بھی دلوں کے لیے موسم بہار کے مانند ہے کہ جس کے پڑھنے، سننے، حفظ کرنے اور اسکے مطلب کو سمجھنے میں انسان کا دل ہمیشہ ایک خاص شادابی محسوس کرتا ہے، چنانچہ ہم ماہ رمضان میں دیکھتے ہیں کہ باجماعت نماز تراویح میں بھی اور الگ سے بھی بہ کثرت اس کی تلاوت کی جاتی ہے، قرآن کریم کے ماننے والے اس ماہ مبارک میں پہلے سے کہیں زیادہ قرآن سے مانوس اور نزدیک ہوتے ہیں اور قرآن پڑھ کر، اسے سمجھ کر اور یاد کرکے اپنے قلوب کو تروتازہ کرتے اور ایک نئ حیات کی شروعات کرتے ہیں۔

اللہ ربّ العالمین نے انسان کو دل ودماغ کی شکل میں ایک خاص قسم کی دولت عطا کی ہے۔قرآن کریم انسان کو اسی عقل وشعور کے استعمال کے لیے جھنجھوڑتا ہے،اللہ کا فرمان ہے:

افلا يتدبرون القرآن ام على قلوب اقفالها

کیاان لوگوں نے قرآن کریم پر غور نہیں کیا یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔(محمد:24)

ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تدبر قرآن کا حکم دے رہاہے اور جو لوگ اس کے محکم معانی میں غور وفکر سے اعراض کرتے ہیں،ان کی سرزنش کر رہاہے۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قرآن اس لیے نازل ہوا ہے کہ اس میں تدبر اور اس پر عمل کیا جائے لیکن لوگوں نے اس کی تلاوت کو کام سمجھ لیاہے،بعض لوگوں کا کام بس یہ ہو گیاہے کہ بلا غور وفکر اس کی تلاوت کر لیا،اس پر عمل کے متعلق تو ان کی بالکل توجہ نہیں ہوتی۔(مدارج السالکین)

اور ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:تدبر قرآن اور اسکی آیات پر توجہ مرکوز کرنے سے زیادہ نفع بخش اور کوئی چیز نہیں،(نضرۃ النعیم)

بس یہ مہینہ قرآن کا مہینہ ہے اور اس مہینے کا حق یہ ہے کہ ہم پورے شعور کے ساتھ یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ قرآن کیاہے،اس کی اتھارٹی کی کیا حیثیت ہے،اس کی تعلیمات کی نوعیت کیا ہے،اس سے ہمارا تعلق کن بنیادوں پر استوار ہونا چاہیے اور اس کے پیغامات کے ہم کس طرح علَم بردار ہو سکتے ہیں تاکہ اللہ کے انعام کا شکر ادا کر سکیں،اور رمضان المبارک کے فیض سے فیضیاب ہو سکیں،امت مسلمہ امتِ وسط ہے،سال میں ایک بار اس کی تربیت کی جاتی ہے،ذمہ داریوں کو اٹھانے کے لئے ریفریشر کورس کرایا جاتاہے۔اور اس کورس کے لئے جس کتاب کا رب العالمین

نے انتخاب فرمایا وہ قرآن کریم ہے اور جس مہینے کو اختیار کیا وہ رمضان ہے، لہٰذا رمضان قرآن کا مہینہ ہے۔جس میں قرآن سے جوڑنے،اس کے ذریعہ اپنی کوتاہیوں سے سبق سیکھنے اور آئندہ کی پلاننگ کی تربیت دی جاتی ہے۔ قرآن نہ صرف مکمل ہدایت کا حقیقی مرقع ہے بلکہ انگلی پکڑ کر ہدایت کی راہ پر انسان کو گامزن کرنے اور خیر وشر میں تمییز کی صلاحیت اور داعیہ پیدا کرنے والی ایک کتاب راہنما بھی ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ ربّ العالمین ہمیں اس بابرکت مہینے میں بکثرت تلاوت قرآن کریم کی توفیق بخشے قرآن کریم کو ہمارے سینے کا نور بنادے، رمضان المبارک میں ہمیں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنے کی توفیق دے آمین یارب العالمین۔

کیا تراویح اور تہجد الگ الگ نمازیں ہیں

رمضان اور غیر رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعت نماز سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، صحابہ کرام سے لیکر محدثین عظام تک کسی کے نزدیک تراویح اور تہجد میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ سب ایک ہی نماز ہے۔

جیسا کہ امام بخاری نے صحیح البخاری میں کتاب التہجد میں قیام رمضان کی حدیث کو ذکر کیا ہے۔

[صحیح بخاری: باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ] رقم الحدیث 1147

اسی طرح امام ترمذی نے اپنی جامع ترمذی کے اندر" باب ما جاء في وصف صلوۃ النبی صلی اللہ علہ وسلم باللیل"

کے تحت قیام رمضان کے سلسلے میں حدیث عائشہ کو ذکر کرکے استدلال کیا ہے۔[جامع الترمذی رقم: 439]

روزے میں نیت کا حکم

ابو طلحہ استاب علی
جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

صیام (طلوع فجر سے لیکر غروب آفتاب تک مفطرات سے اجتناب کرنا اللہ رب العالمین کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے) اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے، جسے تمام مسلمانوں پر واجب قرار دیا گیا ہے، اللہ تعالی نے فرمایا(فمن شهد منكم الشهر فليصمه)(بقرۃ: 185) (تو جو کوئی بھی تم میں سے اس مہینے کو پائے اس پر واجب ہے کہ روزہ رکھے)

چوں کہ تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے، سو اس میں بھی نیت کی شرط لگائی جائے گی جس طرح دوسری عبادات میں لگائی جاتی ہے اللہ رب العالمین نے ارشاد فرمایا﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ﴾ { البينة: 5} اوران کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص عمل کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں (اور) یکسو ہو کر اور نماز پڑھیں اور زکوۃ دیں اور یہی سچا دین ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا: " إنَّما الأعمالُ بالنِّيّاتِ" (تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے)[صحیح البخاری رقم 1]

نیت قصد اور ارادہ کرنے کو کہتے ہیں دیکھیں (المصباح المنیر ۶۳۱/۲ لسان العرب ۳۴۴/۱۴)

شریعت میں نیت کہتے ہیں: " قصد الطاعة والتقرب الى الله تعالى في ايجاد الفعل والكف عنه "[الاشباہ والنظائر لابن نجیم/۲۴] (طاعت اور تقرب الی اللہ کی خاطر کسی فعل کو انجام دینے یا ترک کرنے کا قصد کرنا) علامہ محمد حسن عبد الغفار نیت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: " هو القصد المقترن بالفعل "[کتاب القواعد الفقہیۃ لمحمد حسن عبد الغفار ۲/۷] (کسی فعل کو انجام دینے کا ارادہ کرنا)

فرض روزے میں نیت کا حکم :

فرض روزے میں طلوع فجر سے پہلے نیت کرنا ضروری ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: " لا صِيامَ لِمَن لم يُجمِعْ قبلَ الفجرِ". [اخرجہ النسائی (2336) وصححہ الالبانی] (جس نے طلوع فجر سے پہلے روزے کی نیت نہیں کی اس کا روزہ نہیں ہے)

اس حدیث کا واضح مطلب یہ ہوا کہ جس نے طلوع فجر سے پہلے روزے کا ارادہ نہیں کیا اس کا روزہ نہیں، روزے کے لئے الفاظ کے ذریعہ نیت کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ یہ بدعت ہے جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: "والتلفظ بالنية نقص في العقل والدين، أما في الدين فلأنه بدعة..." (الفاظ کے ذریعہ نیت کرنا دین اور عقل ہر ناحیہ سے کمزور ہے، دین میں کیونکہ یہ بدعت ہے)[الفتاوی الکبری ۲/۹۸] مزید فرمایا: "والجهر بالنية لا يجب ولا يستحب باتفاق المسلمين، بل الجاهر بالنية مبتدع مخالف للشريعة "[مجموع الفتاوی ۲۱۸-۲۲/۲۱۹ مزید دیکھیں الفتاوی الکبری ۲/۹۸] (جہرا نیت کرنا نہ تو واجب ہے اور نہ ہی مستحب اس بات پر مسلمانوں کا اتفاق ہے بلکہ جہرا نیت کرنے والا شخص بدعتی اور شریعت کا مخالف ہے) اور فرمایا: "وَالتَّكَلُّمُ بِالنِّيَّةِ لَيْسَ

وَاجِبًا بِإِجْمَاعِ الْمُسْلِمِينَ فَعَامَّةُ الْمُسْلِمِينَ إِنَّمَا يَصُومُونَ بِالنِّيَّةِ وَصَوْمُهُمْ صَحِيحٌ بِلَا نِزَاعٍ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ" (الفاظ کے ذریعہ نیت کرنا یہ واجب نہیں ہے اس بات پر اجماع ہے کیونکہ عام مسلمان نیت کے ذریعہ روزہ رکھتے ہیں اور انکا روزہ صحیح ہے بلا اختلاف کے) [مجموع الفتاوی ۲۵/۲۱۴]

دوسری دلیل : " انما الأعمال بالنيات " یہ حدیث بھی وجوب نیت کی دلیل ہے جیسا کہ امام شوکانی (متوفی ۱۲۵۰ھ)-رحمہ اللہ- نے کہا دیکھیں { نیل الاوطار ۴/۲۳۳ }

جمہور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ فرض روزے میں طلوع فجر سے پہلے نیت کرنا ضروری ہے جیسا کہ مالکیہ اور علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے فرمایا : رمضان کا روزہ جائز نہیں حتی کہ غروب شمس سے لیکر طلوعِ فجر کے درمیان روزے کی نیت کرکے سویا جائے { الکافی ۱/۳۳۵} شافعیہ ، { مجموع للنووی ۶/۲۹۹ } اور حنابلہ ، {الانصاف للمرداوی 2/294 } کا یہی مذہب ہے۔

امام شوکانی-رحمہ اللہ-نے کہا : " والحديث فيه دليل على وجوب تبييت النية وإيقاعها في جزء من أجزاء الليل وقد ذهب الى ذلك ابن عمر و جابر بن يزيد من الصحابة ... ومالك والليث وابن أبي ذئب" [نیلاالأوطار ۴/۲۳۲] (اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے نیت کرکے رات گزاری جائے اور رات کے کسی بھی حصے میں نیت کرنا صحیح ہے صحابہ میں سے یہی مذہب ابن عمر اور جابر بن یزید رضی اللہ عنہما کا ہے ، مالک ، لیث اور ابن ابی ذئب رحمہم اللہ کا بھی یہی نقطۂ نظر ہے)

کیا ہر دن روزے کی نیت کرنا واجب ہے؟

اس سلسلے میں علماء کے مابین اختلاف ہے ۔

پہلا قول:

جمہور کے نزدیک ہر دن نیت کرنا واجب ہے، حنفیّہ (المبسوط للسرخسی 3/59)، شافعیہ (المجموع 6/302) اور حنابلہ (المغنی لابن قدامہ 3/111) کا یہی مذہب ہے ۔

دلیل: " انما الاعمال بالنیات " یہ عام ہے۔

دوسرا قول :

روزانہ نیت کی ضرورت نہیں ہے ایک بار نیت کرنا ہی کافی ہے یہی مذہب مالکیہ کا ہے (الشرح الکبیر للدردیر 1/521) اور متاخرین میں علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے کیونکہ پے در پے روزہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک ہی عبادت ہے اس لئے ایک بار نیت کرنا کافی ہوگا (الشرح الممتع (356/6) ۔

راجح:

امام شوکانی (متوفی ۱۲۵۰ھ) - رحمہ اللہ - نے کہا: " وَالظَّاهِرُ وُجُوبُ تَجْدِيدِهَا لِكُلِّ يَوْمٍ لِأَنَّهُ عِبَادَةٌ مُسْتَقِلَّةٌ... " { نیل الاوطار ۴/۲۳۳ } (راجح یہی ہے کہ ہر دن تجدید نیت کی جائے گی کیونکہ (ہر دن کا) روزہ ایک مستقل عبادت ہے)۔

نفلی روزے میں نیت کا حکم :

نفلی روزوں میں طلوع فجر سے پہلے نیت کرنا شرط نہیں ہے جیسا کہ جمہور علماء کا مذہب ہے۔ حنفیّہ، (تبیین الحقائق للزیلعی ۱/۳۱۴) شافعیہ، (المجموع للنووی ۶/۳۰۲) حنابلہ، (الإنصاف للمرداوی ۳/۲۱۱، المغنی لابن قدامہ ۳/۱۱۳)۔

دلیل :

عن عائشةَ أمِّ المؤمنينَ رَضِيَ الله عنها، حيث قالت: ((دخل عليَّ النبيُّ صلَّى اللهُ عليه وسلَّم ذاتَ يومٍ فقال: هل عِندكم شيءٌ؟ فقلنا: لا. قال: فإني إذن صائمٌ)) (رواه مسلم (1154)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دن کے کسی حصے میں بھی نیت کر کے نفلی روزہ رکھنا صحیح ہے۔

یہی قول منقول ہے امام ثوری، امام ابراہیم، امام حسن بن صالح سے (دیکھیں: الاستذکار ۱۰/۳۵) شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا بھی یہی مذہب ہے فرمایا: راجح یہی ہے کہ روزہ صحیح ہوگا جیسا کہ صحابہ کرام سے منقول ہے (دیکھیں مجموع الفتاوی: ۲۵/۱۲۰) ابن عثیمین رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں (الشرح الممتع ۶/۳۵۸)۔

کیا کوئی متعین جملہ ہے جس کے ذریعہ نیت کی جائے گی؟

جیسا کہ گزرا کہ زبان سے ادا کر کے نیت کرنا بدعت ہے اور نیت یہ ارادے کا نام ہے ۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا: "كُلُّ مَنْ عَلِمَ أَنَّ غَدًا مِنْ رَمَضَانَ، وَهُوَ يُرِيدُ صَوْمَهُ، فَقَدْ نَوَى صَوْمَهُ، سَوَاءٌ تَلَفَّظَ بِالنِّيَّةِ، أَوْ لَمْ يَتَلَفَّظْ." (ہر وہ شخص جو یہ جانتا ہو کہ کل رمضان ہے اور وہ روزے کا ارادہ رکھتا ہو گویا کہ اس نے نیت کی چاہے الفاظ کے ذریعہ نیت کرے یا نہ کرے) (الفتاوی الکبری ۲/۴۶۹) ۔

ایک جملہ مشہور ہے " بصوم غد نويت من شهر رمضان " اس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ خود ساختہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ السلام سے اس طریقے سے نیت کرنے کے لیے کوئی لفظ ثابت نہیں ہے۔

واللہ اعلم بالصواب ۔

خلاصۂ کلام :

صیام ایک اہمیت کی حامل عبادت ہے جو کہ اخلاص کا متقاضی ہے، فرض روزوں میں طلوع فجر سے پہلے نیت کرنا واجب ہے اور روزانہ نیت کرنا احوط ہے، نفلی روزوں میں دن میں بھی نیت کرنا صحیح ہے اور نیت کے لئے کوئی متعین جملہ ثابت نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم۔

اللہ رب العالمین ہمیں قول و عمل میں اخلاص کی توفیق دے۔آمین یارب العالمین۔

تراویح پڑھنے، پڑھانے کا طریقہ -سنت نبوی کی روشنی میں

لقمان احمد مشتاق احمد
متعلّم: جامعہ مجمعہ ریاض

تراویح رمضان المبارک کی مخصوص عبادتوں میں سے ہے جس کا دوسرا نام قیام اللیل ہے۔

نماز تراویح پڑھنا مستحب ہے، جس کے پڑھنے سے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ» رواہ البخاری (37) "ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی رمضان میں (راتوں کو) ایمان رکھ کر اور ثواب کے لیے عبادت کرے اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔"

اس نماز کی بڑی اہمیت ہے، نبی ﷺ نے خود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تراویح پڑھائی لیکن فرضیت کے ڈر سے اس پر مداومت نہیں برتی، آپ کے بعد صحابہ نے بھی اس نماز کی ادائیگی کی۔

ظاہر سی بات ہے جب تراویح اتنی اہم اور فضیلت والی نماز ہے تو ہمیں اس مہتم بالشان عبادت کو دلچسپی اور سنت نبوی کے مطابق ہی ادا کرنا چاہیے تاکہ ہم اس کی برکات و فضائل سے لبریز ہو سکیں۔ اس مختصر سے مقالہ میں نماز تراویح کے پڑھنے، پڑھانے کی بابت سنت نبوی کی روشنی میں چند باتیں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن کا اہتمام انتہائی ضروری ہے۔

1-تراویح پڑھنے کا طریقہ :

تراویح دو دو رکعت پڑھنا افضل ہے جیسا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: "صلاة الليل مثنى، فإذا خشي أحدكم الصبح صلى ركعة واحدة، توتر له ما قد صلى". رواہ البخاری (990) و مسلم. (749) رات کی نماز دو دو رکعت ہے تو جب تم میں سے کوئی صبح ہو جانے سے ڈرے تو ایک رکعت پڑھ لے، وہ اس کی ساری نماز کو طاق بنا دے گی۔

2-خوش دلی اور خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھنا:

نماز میں خوش دلی اور اطمینان و اعتدالِ ارکان انتہائی ضروری ہے، اللہ رب العالمین نے خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا: {قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ، الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ} (المومنون 1-2) یقیناً ایمان والوں نے فلاح حاصل کر لی، جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں۔

خوش دلی کے بغیر اور سستی سے نماز پڑھنا منافقین کا عمل ہے اللہ کا فرمان ہے: {إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَىٰ يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا} (نساء 142) بیشک منافق اللہ سے چال بازیاں کر رہے ہیں اور وہ انہیں اس چالبازی کا بدلہ دینے والا ہے اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی کاہلی کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں صرف لوگوں کو دکھاتے ہیں اور یاد الٰہی تو یونہی برائے نام کرتے ہیں۔

جو شخص صحیح سے رکوع و سجود نہیں کرتا اس کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا: «إن الرجلَ ليصلِّي سِتين سنةً وما تُقبلُ له صلاةٌ، لعلّه يُتمَّ الركوعَ، ولا يُتمُّ السجودَ، ويُتمُّ السجودَ ولا يُتمَّ الركوعَ». { صحیح الترغیب والترہیب (529)، سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ (2535)

"بیشک آدمی ساٹھ سال نماز پڑھتا ہے لیکن اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی؛ کیوں کہ وہ رکوع کرتا ہے لیکن سجدے صحیح ڈھنگ سے نہیں کرتا، (کبھی) سجدے صحیح سے کرتا ہے لیکن رکوع صحیح سے نہیں کرتا۔

عن زيد بْن وَهْب قَالَ:«رَأَى حُذَيْفَةُ رَجُلًا لَا يُتِمُّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ، قَالَ: مَا صَلَّيْتَ، وَلَوْ مُتَّ مُتَّ عَلَى غَيْرِ الْفِطْرَةِ الَّتِي فَطَرَ اللهُ مُحَمَّدًا ﷺ» . (بخاری: ۷۹۱) زید بن وہب سے روایت ہے کہ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو نہ رکوع پوری طرح کررہا تھا نہ سجدہ، اس لیے آپ نے اس سے کہا کہ تم نے نماز ہی نہیں پڑھی اور اگر تم مرگئے تو تمہاری موت اس فطرت پر نہیں ہوگی جس پر اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا تھا۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: وَاسْتَدَلَّ بِهِ عَلَى وُجُوبِ الطُّمَأْنِينَةِ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ وَعَلَى أَنَّ الْإِخْلَالَ بِهَا مُبْطِلٌ لِلصَّلَاةِ (فتح الباری 275/2) اس حدیث سے رکوع و سجود میں اطمینان کے وجوب پر استدلال کیا گیا ہے اور اس بات پر بھی کہ اطمینان میں خلل مبطل صلاۃ ہے۔

مذکورہ آیات واحادیث سے یہ بات واضح ہوئی کہ نماز میں خشوع و خضوع واتمام ارکان لازم ہے۔

3-امام کا انتخاب:

ائمہ کا انتخاب قابلیت وصلاحیت دیکھ کر کرنی چاہئے، نبی ﷺ کے اس قول کو سامنے رکھتے ہوئے امام کا انتخاب کرنا چاہیے عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ؛ قَالَ: قال رسول الله ﷺ «يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللَّهِ. فَإِنْ كَانُوا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً. فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ. فَإِنْ كَانُوا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً. فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً. فَإِنْ كَانُوا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً، فَأَقْدَمُهُمْ سِلْمًا. رواه مسلم (٦٧٣)

" لوگوں کی امامت وہ کرائے جو ان میں سے کتاب اللہ کو زیادہ پڑھنے والا ہو، اگر پڑھنے میں برابر ہوں تو وہ جو ان میں سے سنت کا زیادہ عالم ہو، اگر وہ سنت (کے علم) میں بھی برابر ہوں تو وہ جس نے ان سب کی نسبت پہلے ہجرت کی ہو، اگر وہ ہجرت میں برابر ہوں تو وہ جو اسلام قبول کرنے میں سبقت رکھتا ہو۔"

بعض جگہوں پر یہ دیکھا گیا کہ امامت کے لیے ایسے شخص کا انتخاب کیا جاتا ہے جسے تجوید کی عدم واقفیت کی وجہ سے صحیح ڈھنگ سے قرآن پڑھنا بھی نہیں آتا حالانکہ مقتدیوں میں اس قابل موجود ہوتے ہیں جو امامت کرا سکیں، یہ سراسر شریعت کے خلاف اور قرآن کے ساتھ مذاق ہے۔

4-پہلی دو رکعات ہلکی پڑھنا:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنْ اللَّيْلِ لِيُصَلِّيَ افْتَتَحَ صَلَاتَهُ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ۔ (مسلم: 767)

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ جب رات کو نماز پڑھنے کے لئے اٹھتے، اپنی نماز کا آغاز دو ہلکی رکعتوں سے فرماتے" یعنی پہلی دو رکعتیں ہلکی پڑھتے تھے تاکہ تھکاوٹ محسوس نہ ہو ، یہ نبی ﷺ کا طریقہ تھا لیکن آج کل ائمہ کا طریقہ بالکل برعکس ہے شروع کی رکعات ہی لمبی کر دیتے ہیں، جو لوگ پورے گیارہ مہینہ دس منٹ میں اپنی نماز مکمل کر لیتے ہوں اچانک ان کے لیے اتنی لمبی رکعت پڑھنا دشوار ہو گا، پہلے ہی رکعت میں خوب لمبی قراءت کریں گے تو جو پڑھنا چاہے گا وہ بھی اکتا کر چلا جائے گا، اس لیئے پہلے ہلکی رکعتوں سے ابتدا کریں تاکہ نشاط برقرار رہے اور باقی رکعتیں خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کی جا سکیں۔

روزآنہ قرات کی مقدار مناسب رکھیں، اور شروع کے ایام میں ہلکی نماز پڑھائیں تاکہ لوگ لمبی قرآت کے متعود ہو سکیں۔

5-قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا:

قرآن تدبرِ معانی اور حضور قلب کے ساتھ آدابِ تلاوت کی رعایت کرتے ہوئے خوبصورت آواز میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چاہیے، حدیث میں ہے «زيّنوا القرآن بأصواتكم» (ابوداود: ۱۴۶۸) صحیح سنن إبي داود (۱۳۲۰) "اپنی آوازوں سے قرآن کو زینت دو۔" یعنی قرآن عمدہ اور خوبصورت آواز میں پڑھو.

قرآن کریم میں ہے: {وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا} (مزمل 4) "اور قرآن ٹھہر ٹھہر کر (صاف) پڑھا کرو"

ترتیل کا معنی: امام جوہری نے ترتیل کا معنی یوں بیان کیا: الترسل في القراءة و التبيين بغير بغي (الصحاح فی اللغة والعلوم للجوہری 1787) یعنی عدم سرعت اور ٹھہر ٹھہر کر الفاظ وحروف کو واضح کرکے بغیر کسی زیادتی کے تلاوت کرنا۔

معلوم ہوا قرآن کو اچھی آواز اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چاہیے جس سے مقتدیوں کو سننے میں دل لگے اور اکتاہٹ محسوس نہ ہو؛ لہٰذا تراویح کی نماز کو جلدی ختم کرنے کے لیے قرآنِ کریم کو اس شوخ رفتاری سے پڑھنا کہ الفاظ وحروف کی ادائیگی کا پاس و لحاظ نہ ہو، تجوید و آدابِ تلاوت کا اہتمام نہ ہو شرعاً درست نہیں۔ اصل مقصد اچھے ڈھنگ سے نماز کی ادائیگی ہے نہ کہ ختم قرآن۔

کیا تراویح میں قرآن ختم کرنا ضروری ہے؟

تراویح کا اصل مقصد قیام اللیل ہے، یہ سمجھنا کہ اس میں قرآن ختم کرنا واجب ہے اور اس کے لی

تیز رفتاری سے قرآن پڑھنا درست نہیں۔امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَيْسَ خَتْمُ الْقُرْآنِ فِي رَمَضَانَ بِسُنَّةٍ لِلْقِيَامِ. (المدونۃللامام مالک ۱/۲۸۸) رمضان میں قیام (تراویح) کے لیئے قرآن ختم کرنا سنت نہیں ہے۔

6-قراء کی نقالی:

جیسا کہ گذرا کہ قرآن خوبصورت آواز میں پڑھنا چاہیے لیکن اپنی طبعی آواز ہو، اپنے آپ کو تکلف میں ڈال کر کسی قاری کی نقالی کرنا درست نہیں ہے (اس مسئلہ کے لیے بکر ابوزید کی کتاب تصحیح الدعاء کا مطالعہ کرنا چاہیے (صفحہ 300-318)

7-قریبی مسجد میں تراویح پڑھنا:

ہر انسان کو اپنے محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنی چاہیے، کسی قاری کی بہترین آواز کی وجہ سے قریبی مسجد کے بجائے دوسری مسجد میں جانا مناسب نہیں ہے۔ابن عثیمین رحمہ اللہ نے فرمایا: إن الأفضل أن تصلِّيَ في مسجدِ الحَيِّ الذي أنت فيه، سواءٌ كان أكثر جماعة أو أقل- (الشرح الممتع ۴/۱۵۲) یعنی افضل یہ ہے کہ آپ اپنے محلے کی مسجد میں نماز ادا کریں، چاہے زیادہ مصلی ہوں یا کم

8-مقتدیوں کا خیال کرکے قرآت کرنا:

امام کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کا خیال کرکے امامت کرائے بلکہ لوگوں میں جو سب سے کمزور ہیں ان کا خیال کرے اور اسی کے مطابق لمبی اور ہلکی قراءت کرنے کی کوشش کرے۔آج کل کے ائمہ مقتدیوں کا خیال کیے بغیر لمبی قراءت کرنا شروع کردیتے ہیں اور اسی کو اصل سمجھتے ہیں۔اصل خالص دل اور خشوع وخضوع کے ساتھ نماز کی ادائیگی ہے نہ کہ لمبی قراءت، ایسی لمبی قراءت سے

کیا فائدہ جس سے مقتدی اکتا جائیں، ان کا دھیان بھٹک جائے اور جو نماز کا مقصد ہے وہ مقصد ہی فوت ہو جائے؛اس لیے نبی ﷺ نے فرمایا: «إِذَا أَمَّ أَحَدُكُمُ النَّاسَ، فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ فِيهِمُ الصَّغِيرَ، وَالْكَبِيرَ، وَالضَّعِيفَ، وَالْمَرِيضَ، فَإِذَا صَلَّى وَحْدَهُ فَلْيُصَلِّ كَيْفَ شَاءَ» (بخاری ۷۰۳ ، مسلم/467) جب تم میں سے کوئی فرد لوگوں کی امامت کرائے تو وہ ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ ان (نمازیوں) میں بچے، بوڑھے، کمزور اور بیمار بھی ہوتے ہیں اور جب اکیلا پڑھے تو جیسے چاہے پڑھے۔

9-لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ تلاوت کرنا کیسا ہے؟

رمضان المبارک میں اکثر مساجد میں لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ تراویح وغیرہ پڑھائی جاتی ہے جس کی آواز پورے گاؤں اور قصبے میں گونجتی ہے، بلکہ آس پاس کے علاقوں میں بھی پہونچتی ہے اسی وقت عورتیں بھی اپنے گھروں میں نماز پڑھتی ہیں، ظاہر سی بات ہے قراءت کی آواز ان تک پہونچے گی جس سے ان کی نماز میں خلل پیدا ہو سکتا ہے، اسی طرح اس مسجد کی آواز دوسرے مساجد میں بھی جائے گی جس سے نمازیوں کو اذیت پہونچے گی جو کہ مناسب نہیں لگ رہا، حدیث ہے عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قالَ: اعْتَكَفَ النَّبِيُّ ﷺ فِي المسْجِدِ فَسَمِعَهُمْ يَجْهَرُونَ بِالقِراءَةِ وهُوَ فِي قُبَّةٍ لَهُ فَكَشَفَ السُّتُورَ وقالَ: «أَلا كُلُّكُمْ يُناجِي رَبَّهُ فَلا يُؤْذِيَنَّ بَعْضُكُمْ بَعْضًا، ولا يَرْفَعْنَ بَعْضُكُمْ عَلى بَعْضٍ فِي القِراءَةِ فِي الصَّلاةِ» مستدرک حاکم (۱۱۶۹) امام حاکم نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا ھذا حدِیث صحیح علی شرط الشیخین، اور امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے (صحیح سنن ابی داود ۱۲۰۳) ترجمہ: صحابی رسول ابو سعید (خدری) رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں اعتکاف فرمایا۔ آپ نے لوگوں کو سنا کہ وہ اونچی آواز سے قرآت کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے پردہ ہٹایا اور فرمایا: خبردار! تم بلاشبہ سب کے سب اپنے رب سے

مناجات کرتے ہو لہٰذا کوئی دوسرے کو ہر گز ایذانہ دے اور نماز کی قرآت میں اپنی آواز دوسرے پر بلند نہ کرے۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اپنی تلاوت کے ذریعہ دوسرے نمازیوں کو اذیت پہنچانا اور ان کے نماز میں خلل پیدا کرنا درست نہیں ہے؛ لہٰذا ہمیں ایسے مباح کام سے اجتناب کرنا چاہیے جس سے کسی کی نماز میں خلل پیدا ہونے کا ذرا سا بھی خدشہ ہو۔

اسی طرح لاؤڈ سپیکر کی آواز ایسے لوگوں تک پہونچتی ہے جو اپنے کاموں اور کھیل کود میں مشغول ہوتے ہیں، قرآن کی تلاوت ہو رہی ہو اور لوگ سننے کے بجائے اپنے کاموں میں مشغول ہوں تو اس سے قرآن کی بے حرمتی لازم آئے گی کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے۔«وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ» (اعراف 204) اور جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اس کی طرف کان لگا دیا کرو اور خاموش رہا کرو امید ہے کہ تم پر رحمت ہو۔

گرچہ بعض علماء نے اس حکم کو صرف نماز کی حالت پر محمول کیا ہے پر وہیں دیگر علماء نے اس حکم کو عام مان کر نماز اور غیر نماز میں سننے اور خاموش رہنے کو واجب قرار دیا ہے۔امام سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: هذا الأمر عام في كل من سمع كتاب الله يتلى، فإنه مأمور بالاستماع له والإنصات. (تفسیر سعدی:314)

یہ حکم ہر اس شخص کے بارے میں عام ہے جو قرآن کریم کو تلاوت ہوتے ہوئے سنے، تو وہ قرآن کو دھیان سے سننے اور تلاوت کے وقت خاموش رہنے کا مامور ہے۔

اسی طرح لاؤڈ سپیکر کی آواز غیر مسلموں پر ناگوار گزر سکتی ہے جس سے اختلاف وانتشار کا اندیشہ ہے ؛ لہٰذا جو عمل لوگوں کی تکلیف کا سبب بنے اس سے اجتناب ہی اولی ہے اس لیے ہمیں لاؤڈ سپیکر کے

استعمال سے حتی الامکان بچنا چاہیے۔ ویسے مسجد کے باہری لاؤڈ سپیکر کے استعمال کرنے میں کوئی خاص فائدہ نظر نہیں آتا لہٰذا اجتناب ہی بہتر ہے۔

10-ہر رکن اطمینان سے ادا کرنا:

نماز میں حضورِ قلب، اطمینان واعتدالِ ارکان ضروری ہے، ائمہ تمام ارکان میں اتنا وقت ضرور دیں کہ مقتدی حضرات بھی اطمینان سے ارکان مکمل کر سکیں، افسوس اس بات پر ہوتا ہے کہ بہت سے ائمہ نماز میں جہاں تخفیف کرنی چاہیے وہاں تخفیف نہیں کرتے (مثلا: قراءت) لیکن نماز کے دیگر اعمال (مثلا: رکوع، قیام بعد الرکوع، سجود، جلوس بین السجود، تشہد وغیرہ) کی تکمیل کا بالکل خیال نہیں کرتے، مقتدی نہ تو صحیح سے دعا ثنا پڑھ پاتے، نہ سجدے کی دعا کر پاتے، جب تک مقتدی رکوع سے کھڑے ہوتے ہیں تب تک امام صاحب سجدے کے لیے اللہ اکبر کہہ چکے ہوتے ہیں۔ یہ نماز کے آداب کے بلکل خلاف ہے۔

11-تراویح کے بعد بیٹھ کر دو رکعات پڑھنا:

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ؟ فَقَالَتْ: كَانَ يُصَلِّي ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً. يُصَلِّي ثَمَانَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ يُوتِرُ. ثُمَّ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ. فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ قَامَ فَرَكَعَ. ثُمَّ يصلي ركعتين بين النداء والإقامة، من صلاة الصبح. رواه مسلم (738) ابو سلمہ سے روایت ہے انھوں نے کہا: میں نے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے کہا آپ تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے، آٹھ رکعتیں پڑھتے پھر وتر ادا فرماتے، پھر بیٹھے ہوئے دو رکعتیں پڑھتے، پھر جب رکوع کرنا چاہتے تو اٹھ کھڑے ہوتے اور رکوع کرتے، پھر صبح کی نماز کی اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعتیں پڑھتے۔

یہ تھیں تراویح کے متعلق چند باتیں، اللہ سے دعا ہے کہ اللہ رب العالمین ہم تمام لوگوں کو کتاب و سنت کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

روزے سے متعلق چالیس اہم فقہی مسائل

ڈاکٹر عبدالحلیم بسم اللہ
جامعہ سلفیہ بنارس

الحمد لله رب العالمين و الصلاة و السلام على سيد الأنبياء و المرسلين و على آله و أصحابه أجمعين أما بعد :

یہ مختصر رسالہ چالیس اہم فقہی مسائل پر مشتمل ہے جامعہ سلفیہ بنارس میں (فقہ النوازل) اور صحیح مسلم کتاب الصیام کی تدریس کے دوران میں نے طلبہ کو صیام سے متعلق جدید فقہی مسائل کے بارے میں متعدد اور اہم چیزوں کو بیان کیا جسے طلبہ نے بے حد پسند فرمایا اور انہوں نے مطالبہ کیا کہ اسے تحریری شکل دے دوں تاکہ اردو قارئین اس سے مستفید ہو سکیں، چنانچہ انکی طلب پر لبیک کہتے ہوئے میں اس مجموعے کو مرتب کرنے لگا–اسی دوران مجھے دو مفید رسالوں کا علم ہوا–ان میں سے ایک مؤسسة الدرر السنية کمیٹی کی (ثلاثون مسألة فقهية معاصرة عن الصوم) اور دوسرا شیخ محمد صالح المنجد کی (٧٠ مسألة في الصيام) ہے-

چونکہ دونوں رسالے اسی موضوع سے متعلق تھے اس لئے ان دونوں کتابوں میں مذکور اہم مسائل کا انتخاب اور ترجمہ کرکے اس رسالے کو مرتب کیا-اور ضرورت پڑنے پر کتب الفتاوی کی طرف مراجعہ کیا ہے جس کا حوالہ مصادر و مراجع میں مذکور ہے–

اللہ سے دعاگوں ہوں کہ الہ العالمین اس رسالے کو امت کے لئے مفید بنائے- وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.

ڈاکٹر عبدالحلیم بسم اللہ
جامعہ سلفیہ بنارس
١٠ رمضان المبارک ١٤٤٣
١٢/٠٤/٢٠٢٢

1۔اگر ایک ملک کے لوگ ہلال دیکھیں تو کیا دوسرے ملک کے لوگوں کو اس ملک کی رؤیت کی بنیاد پر روزہ رکھنا ہے یا ہر ملک کی مستقل رؤیت ہوگی، اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے

پہلا قول: یہ ہے کہ ہر شخص پر روزہ رکھنا واجب ہوگا ۔

یہ علامہ ابن تیمیہ، ابن باز اور البانی رحمہم اللہ کا اختیار ہے اور اسی کے مطابق فقہ اکیڈمی کا بھی فتوی ہے۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ مطلع مختلف ہونے کی صورت میں ہر شخص پر روزہ واجب نہیں ہے، بلکہ ان لوگوں پر واجب ہے جنہوں نے ہلال دیکھا اور جن لوگوں کا مطلع ہلال دیکھنے والوں کے مطلع سے متفق ہو۔ اس کو علامہ صنعانی اور ابن عثیمین رحمہما اللہ نے اختیار کیا ہے۔

2۔ہلال کو دیکھنے کے لئے سیٹلا ئٹس (satelites) پر اعتماد کرنا جائز نہیں۔

یہ علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ کا قول ہے۔

3 ۔ رؤیت ہلال کے لئے رصد گاہ (Astronomical observatories) کا ستعمال جائز ہے جیسے دوربین وغیرہ، لیکن واجب نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کوئی موثوق شخص دوربین سے ہلال دیکھے تو اسکی رؤیت پر عمل کیا جائے گا - یہ علامہ ابن باز اور ابن عثیمین رحمہما اللہ کا اختیار ہے اور کبار علماء کمیٹی اور اسلامی فقہ اکیڈمی کا بھی فتوی ہے۔

4۔ہلال کا اندازہ کرنا فلکیاتی حساب سے جائز نہیں اور نہ ہی رمضان کی آمد و رفت ثابت کرنے کے لئے اس پر اعتماد جائز ہے بلکہ اس کے لئے رؤیت ضروری ہے۔

علامہ ابن رشد، قرطبیؒ، جصاص اور ابن تیمیہ رحمہما اللہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے-

5۔ہر روزے دار پر فجر سے لیکر سورج غروب ہونے تک تمام مفطرات سے بچنا واجب ہے، خواہ وہ زمین کے کسی بھی حصہ میں ہو، چاہے وہاں دن لمبا ہو یا چھوٹا یا برابر، جب تک کہ وہ اس علاقہ میں ہو جہاں رات و دن کا دورانیہ چوبیس گھنٹوں کا ہے ۔

علامہ ابن باز، ابن عثیمین رحمہما وغیرہ اور اسلامی فقہ اکیڈمی کا یہی فتوی ہے-

جو لوگ ایسے ملک میں رہتے ہیں جہاں رات اور دن کا دورانیہ چوبیس گھنٹہ سے زیادہ ہو۔ مثلا وہ ملک جہاں ایک دن کا دورانیہ دو دن، یا ایک ہفتہ، یا ایک مہینہ یا اس سے زائد ہو، تو ایسی حالت میں دن رات کا تخمینہ اس ملک سے قریب ترین ملک پر اعتماد کر کے لگایا جائے گا جہاں رات اور دن دونوں کا دورانیہ چوبیس گھنٹہ ہوتا ہو -

علامہ ابن باز، ابن عثیمین رحمہما اللہ وغیرہ اور اسلامی فقہ اکیڈمی کا یہی فتوی ہے۔

7۔ رمضان میں اگر کوئی شخص سفر کا ارادہ رکھتا ہو تو سفر شروع کرنے سے پہلے اس کے لئے افطار جائز نہیں، کیونکہ ممکن ہے اس کو ایسی کوئی بات پیش آجائے جس کی وجہ سے وہ سفر نہ کر سکے۔

8۔ جو شخص کسی شہر میں پہنچ جائے اور چار دن سے زیادہ وہاں رکنے کی نیت رکھے تو جمہور علماء کے نزدیک اسے روزہ رکھنا ضروری ہے کیونکہ وہ مقیم کے حکم میں ہو جاتا ہے۔

9۔ جو شخص مسلسل سفر میں رہتا ہو جیسے ڈرائیور، یا پائیلیٹ یا کپتان وغیرہ تو انہیں روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے، لیکن ان پر قضا ضروری ہے۔

10۔ جو شخص کسی ملک میں روزہ شروع کرے پھر دوسرے ملک سفر کر جائے جہاں لوگوں نے اس سے پہلے یا بعد میں روزہ رکھنا شروع کیا ہو تو اس پر انہیں لوگوں کا حکم نافذ ہوگا جس کے پاس اس نے سفر کیا ہے، وہ انہیں لوگوں کے ساتھ روزہ چھوڑے گا گرچہ تیس سے زائد کیوں نہ ہو جائے، اگر اسکے روزے ۲۹ سے کم ہوں تو اسے عیدالفطر کے بعد ۲۹ روزے مکمل کرنا ہوگا کیونکہ ہجری ماہ ۲۹ دن سے کم نہیں ہوتا۔

11 - غروب آفتاب کے بعد جو روزہ دار ہوائی جہاز اڑنے سے پہلے افطار کرلے پھر فضا میں بلند ہونے کے بعد اسے سورج نظر آنے لگے تو ایسی حالت میں وہ حالت افطار میں باقی رہے گا، اور اسکا روزہ مکمل مانا جائے گا -

یہ علامہ عبدالرزاق عفیفی ابن باز اور ابن عثیمین رحمہم اللہ کا فتوی ہے-

12۔جو شخص روزہ کی حالت میں ہوائی جہاز میں سفر کرے، اور اسے گھڑی یا کسی اور ذریعہ سے معلوم ہو کہ جس ملک سے اس نے سفر کیا تھا یا اس کے جہاز سے قریبی ملک میں اب افطار کا وقت ہو گیا ہے لیکن اسے فضا میں جہاز کی بلندی کی وجہ سے سورج نظر آرہا ہے تو ایسی حالت میں اس کے لئے افطار جائز نہیں یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے-

یہ علامہ عبدالرزاق عفیفی، ابن باز اور ابن عثیمین رحمہم اللہ کا فتوی ہے-

13۔مسافر کے لئے روزہ توڑنا جائز ہے گرچہ وہ آرام دہ سواری سے سفر کرے، خواہ اسے مشقت ہو یا نہ ہو-

اس پر علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اجماع بیان کیا ہے-

14۔جس شخص کو شدید بھوک وپیاس لاحق ہو جائے جس سے ہلاکت کا اندیشہ ہو، تو روزہ چھوڑ دے گا اور اسکی قضا کرے گا کیونکہ جان کی حفاظت واجب ہے—

15۔اگر کسی کی جان بچانے کے لئے روزہ توڑنے کی ضرورت پڑے تو روزہ توڑا جاسکتا ہے مگر قضا واجب ہوگی جیسے ڈوبنے یا جلنے والے کو بچانا۔

16۔روزہ دار کے لئے ٹو تھ پیسٹ (toothpaste) کا استعمال جائز ہے بشر طیکہ ٹو تھ پیسٹ حلق تک نہ پہونچے۔

یہ علامہ ابن باز، ابن عثیمین رحمہما اللہ اور اسلامی فقہ اکیڈمی کا فتوی ہے ۔

17 . تیل اور مرحم کے استعمال سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

یہ علامہ ابن تیمیہ، ابن عثیمین رحمہما اللہ اور اسلامی فقہ اکیڈمی کا فتوی ہے۔

18۔جس کا دماغ بیہوشی کی دوا (Anesthesia) یا انجکشن کی وجہ سے زائل ہو جائے اور اپنا ہوش کھودے تو وہ بے ہوش کے حکم میں شمار ہوگا۔

چنانچہ جس شخص نے روزے کی نیت کرلی پھر بے ہوش ہو جائے تو وہ دو صورتوں سے خالی نہیں ہے :

پہلی صورت: کہ یہ بیہوشی دن بھر قائم رہے یعنی فجر صادق کے پہلے سے لیکر غروب آفتاب کے بعد تک، تو اس حالت میں اس شخص کا روزہ درست نہیں ہوگا اور بعد میں اس کو اس دن کی قضا کرنی ہوگی- یہ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے جمھور علماء کا قول ہے اور اس پر اجماع بیان کیا گیا ہے-

دوسری صورت: یہ کہ بیہوشی سے اسے دن کے بعض حصہ میں اسے افاقہ ہو جائے، خواہ ایک لمحہ کے لئے ہو تو اسکا روزہ صحیح ہوگا اور اس پر قضا نہیں ہوگی- یہ شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے-

لیکن اگر بیہوشی کی دوا یا انجیکشن کے ساتھ غذائی چیز ملی ہو تو روزہ باطل ہو جائے گا گرچہ بیہوشی مکمل دن نہ رہے۔

19 . روزے کے دوران سگریٹ پینے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے—

اس پر مذاہب اربعہ کا اجماع ہے۔

20۔ نشترزنی (Phlebotomy) (خون نکالنے کے لئے رگ کھولنا) کی وجہ سے روزہ ٹوٹنے کے بارے میں اہل علم کے مابین اختلاف ہے۔

پہلا قول: یہ ہے کہ اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

یہ جمہور حنفیہّ مالکیہ اور شافعیہ کا مذہب ہے -

دوسرا قول: یہ ہے اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

اسی کو علامہ ابن تیمیہ اور ابن عثیمین رحمہما اللہ نے اختیار کیا ہے اور لجنہ دائمہ کا یہی فتوی ہے

21 . میڈیکل چیک اپ کے لئے خون نکلوانا جائز ہے۔ یہ علامہ ابن باز اور ابن عثیمین رحمہما اللہ کا قول ہے۔

22۔ جو شخص روزے کی حالت میں انیما (Enema) (پاخانہ کے راستے بڑی انتری کے نچلے حصے میں صفائی و تشخیص کے لئے دی جانے والی سیال پچکاری) لگوائے تو اس کے متعلق اہل علم کے دو اقوال ہیں:

پہلا قول: کہ روزہ ٹوٹ جائے گا۔

اس پر چاروں فقہی مذاہب (حنفیہّ، مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ) کا اتفاق ہے—

دوسرا قول: کہ روزہ نہیں ٹوٹے گا -

علامہ ابن عبدالبر، ابن تیمیہ، ابن باز اور ابن عثیمین رحمہم اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

23۔روزے کی حالت میں ناک میں قطرہ ڈالنے یا ناک کے ذریعہ دوا لینے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے- چاروں فقہی مذاہب کا اس پر اتفاق ہے-

24۔روزے دار کے لئے آنکھوں میں قطرے کا استعمال جائز ہے -

یہ احناف اور شافعیہ کا مذہب ہے اور یہی علامہ ابن عثیمین اور ابن باز رحمہما اللہ کا اختیار ہے-

25۔روزہ دار کے لئے کان میں قطرے کا استعمال جائز ہے-

اسے علامہ ابن حزم، ابن عثیمین اور ابن باز رحمہم اللہ نے اختیار کیا ہے-

26۔کان کی صفائی کے لئے ایر واش (Ear wash) جو کہ غالبا پانی کے ساتھ ملا ہوتا ہے، پس اگر یہ حلق میں کان کا پردہ پھٹنے کی وجہ سے پہنچ جائے اور روزہ دار اسے نگل لے ایسی حالت میں تو روزہ ٹوٹ جائے گا، لیکن اگر حلق تک کچھ نہ پہنچے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ یہ اسلامی فقہ اکیڈمی کا فتوی ہے-

27۔سانس کے مرض کی وجہ سے آکسیجن گیس (Oxygen gas) کے استعمال سے روزہ فاسد نہیں ہوتا- یہ اسلامی فقہ اکیڈمی کا فتوی ہے-

28 .روزے کی حالت میں دمہ اسپرے (Asthma inhaler) کے استعمال سے روزہ فاسد نہیں ہوتا — علامہ ابن باز اور ابن عثیمین رحمہما اللہ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے-

29۔زبان کے نیچے جو گولیاں دل کے بعض دورے کے علاج کے لئے استعمال کی جاتی ہیں اور وہ منہ میں رکھنے کے فورا بعد مختصر وقت میں جذب ہو جاتی ہے، اور خون انہیں دل تک پہنچا دیتا ہے جس سے دل پر اچانک پڑنے والا دورہ رک جاتا ہے، اور ان گولیوں میں سے کوئی بھی چیز پیٹ میں

داخل نہیں ہوتی، ان گولیوں کو لینے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا بشرطیکہ مریض اس میں سے کچھ نہ نگلے۔ علامہ ابن باز رحمہ اللہ اسی طرف گئے ہیں اور یہی اسلامی فقہ اکیڈمی کا متفقہ فیصلہ ہے -

30۔ مکمل رمضان روزہ رکھنے کے لئے حیض کو مؤخر کرنے کے لئے مانع حیض دوا کھانا جائز ہے- خواہ ماہ رمضان میں ہو یا دیگر اوقات میں بشرطیکہ نقصان کا اندیشہ نہ ہو-

یہ حنابلہ کا مذہب ہے اور اسی کو ابن باز رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے -

31۔ رگوں میں غذا بخش انجکشن (Feeding injection) کے استعمال سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے- یہ علامہ ابن باز، ابن عثیمین رحمہما اللہ اور لجنہ دائمہ وغیرہ کا فتوی ہے-

32۔ غیر غذا بخش انجکشن (Non feeding injection-) کے استعمال سے روزہ فاسد نہیں ہوتا- چاہے اسے پٹھوں میں رگوں میں یا جلد میں لگایا جائے-

یہ علامہ ابن باز، ابن عثیمین رحمہما اللہ اور لجنہ دائمہ وغیرہ کا فتوی ہے-

33۔ جس مریض کا کسی بھی طریقے سے ڈائیلیسس (Dialysis) (جس میں مریض کے خون کو مضر اشیاء سے صاف کیا جاتا ہے) کیا جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے-

یہ علامہ ابن باز رحمہ اللہ اور لجنہ دائمہ کا فتوی ہے-

34۔ روزہ کی حالت میں شافہ (Suppositories/Lobs) (سرین میں لگایا جانے والا کیپسول) کے استعمال سے روزہ فاسد نہیں ہوتا - یہ علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ کا فتوی ہے-

35۔ روزے دار کے عضو تناسل میں اگر کوئی سائل یا تیل ڈالا جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا -

جمہور حنفیہّ، مالکیہ اور شافعیہ کا یہی مذہب ہے-

36۔ مصنوعی نلی (Catheter) یا جسم کے اندر دیکھنے کا آلہ (Endoscope) داخل کرنے یا دواڈالنے یا مثانہ دھلنے کا پاوڈر، یا کوئی ایسی چیز جو ایکسرے (X-Ray) کا واضح کرنے میں مدد کرتی ہے-ان سب چیزوں کے استعمال سے روزہ نہیں ٹوٹتا - یہ اسلامی فقہ اکیڈمی کا فتوی ہے-

37۔ عورت کی شرمگاہ میں قطرہ ٹپکانا (DISTILLATION) یا شافہ (Suppositories) کا استعمال یا ایکسرے ڈائی پمپنگ (X-ray dye pumping) وغیرہ سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ کیونکہ طب جدید سے پتہ چلا ہے کہ عورت کے نظام تولید اور نظام انہضام کے درمیان کوئی مدخل نہیں ہے۔ یہ اسلامی فقہ اکیڈمی کا فتوی ہے-

38۔ روزے دار کے لئے بوقت ضرورت یا مصلحت کھانا چکھنا جائز ہے جیسے نمک کی مقدار جاننے یا خریدتے وقت کھانا چیک کرنے کے لئے بشر طیکہ وہ اسے اگل دے اور کلی کرے یا اپنی زبان کو کسی چیز سے صاف کرلے- یہ حنفیّہ، شافعیہ اور حنابلہ کے جمہور اہل علم کا مذہب ہے-

لیکن بلا ضرورت کھانا چکھنا مذاہب اربعہ کے نزدیک مکروہ ہے -

39۔ اگر کسی شخص نے افطار کرلیا یہ گمان کرتے ہوئے کہ سورج غروب ہوگیا ہے حالانکہ سورج غروب نہیں ہوا تھا تو ایسی صورت میں جمہور اہل علم کے نزدیک اسے اس دن کی قضا کرنی ہوگی-

40 . جسے رمضان کے روزے کی فرضیت یا روزے کے دوران کھانے اور جماع کی حرمت کا علم نہ ہو تو اکثر علماء اسے معذور سمجھتے ہیں مثلا نو مسلم ہو، یا وہ مسلمان جو کافروں کے درمیان پروان چڑھا ہو-

مصادر و مراجع

1.ثلاثون مسألة فقهية معاصرة عن الصوم– لجنةعلميه بمؤسسة الدرر السنيه

2.سبعون مسألة في الصيام– محمد صالح المنجد

3.فتاوی ابن باز رحمہ اللہ 4.فتاوی ابن عثیمین رحمہ اللہ

5.فتاوی اللجنۃ الدائمۃ 6.فتاوی نور علی الدرب

7.مجموع الفتاوی لابن تیمیہ رحمہ اللہ

بیس رکعات تراویح علماء احناف کی نظر میں

1- علامہ انور شاہ کشمیری سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں: فصح عنه ثمان ركعات واما عشرون فهو عنه عليه السلام بسند ضعيف وعلى ضعفه اتفاق. [العرف الشذی329]

2- مولانا زکریا حنفی کاندہلوی: لا شك في أن تحديد التراويح في عشرين ركعة لم يثبت مرفوعا عن النبي صلى الله عليه وسلم بطريق صحيح. [اوجز المسالک1/39]

3- سرتاج علماء حنفیّہ مولانا عبدالحیٔ لکھنوی

فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بیس رکعتیں والی جو روایات ہیں وہ ضعیف ہے۔[التعلیق الممجد حاشیہ مؤطاامام محمد ۱۴۱، بحوالہ حدیث خیر وشر ص ۱۰۴]

4- مولانا احمد علی سہارنپوری

فرماتے ہیں: جو بیس رکعت والی روایت ابن عباس سے مروی ہے وہ ضعیف ہے اور صحیح حدیث کے خلاف بھی ہے۔[حاشیہ صحیح بخاری ۱/۱۵۴]

ماہ رمضان اور لوگوں میں پائے جانے والے بعض وسوسے

دکتور فاروق عبداللہ نارائن پوری
جامعہ اسلامیہ نور باغ، ممبرا، ممبئی

شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے۔ وہ ہمیشہ انسان کو نیکی کی راہوں سے دور اور گناہ کے راستوں پر ڈھکیلنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور ہر شخص کو اس کے علم اور تقوی و پرہیز گاری کے حساب سے بہکانے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ جب کوئی شخص عبادت و بندگی میں منہمک ہوتا ہے تو اسے غلو اور افراط کے شکنجہ میں جکڑتا ہے یا پھر اس کے اندر شکوک و شبہات کے بیج بو کر اسے اصلا عبادت سے ہی دور کر دیتا ہے۔ ماہ رمضان میں بھی بہت سارے لوگوں کو ایسے وسوسوں کا شکار دیکھا جاتا ہے۔ ذیل میں بعض ایسے وساوس کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جسے راقم الحروف نے گذشتہ چند سالوں میں بکثرت لوگوں کے درمیان دیکھا اور سنا ہے:

1- تین رات سے زیادہ باجماعت صلاۃ تراویح نہ پڑھنا

ماہ رمضان کے اہم اور بابرکت اعمال میں سے ایک عمل باجماعت صلاۃ تراویح کا ادا کرنا ہے۔ لیکن بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے دیکھا اور سنا جاتا ہے کہ تین رات سے زیادہ باجماعت صلاۃ تراویح جائز نہیں۔ اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ تین رات سے زیادہ جماعت کے ساتھ تراویح نہیں پڑھی یا پڑھائی اس لیے تین رات سے زیادہ جماعت کے ساتھ نہیں پڑھی جا سکتی حتی کہ بعض حضرات جرات و مبالغہ سے کام لیتے ہوئے اس پر بدعت کا بھی حکم صادر فرما دیتے ہیں۔ (واللہ المستعان) حالانکہ اس کے استحباب اور فضیلت پر سنت سے دلیل موجود ہے، نیز صحابہ کرام کا

متفقہ عمل اس کی مشروعیت پر بین ثبوت ہے۔ البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تین رات سے زیادہ باجماعت تراویح نہ پڑھانا تو وہ اس لیے تھا کہ صحابہ کرام کے شدید حرص کی بنا پر آپ کو اسے امت پر فرض کر دیے جانے کا خوف لاحق ہو گیا تھا، جو کہ لوگوں پر باعث مشقت تھا۔ (دیکھیں: صحیح بخاری 197/1، صحیح مسلم (524/1)

لیکن آپ کی وفات کے بعد یہ خوف زائل ہو گیا۔ اس لیے جب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں لوگوں کو باجماعت تراویح کے لیے جمع کیا تو کسی نے اعتراض نہیں کیا۔

نیز جس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تین رات باجماعت تراویح کا ذکر ہے اسی میں آپ کا یہ قول بھی موجود ہے: إن الرجل إذا صلى مع الإمام حتى ينصرف حسب له قيام ليلة». (ابو داؤد 1375، الترمذی 806 النسائی 203/3، ابن ماجہ 1327 علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ارواء الغلیل (193/2) حدیث نمبر (447) میں صحیح قرار دیا ہے)

یعنی جب کوئی شخص امام کے فارغ ہونے تک اس کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو اس کے حق میں پوری رات کا قیام لکھا جاتا ہے پس اس حدیث میں باجماعت تراویح کے لیے واضح دلیل موجود ہے۔ اور صحابہ کرام نیز سلف صالحین کے عمل سے اس کی مشروعیت مزید واضح ہو جاتی ہے۔ وللہ الحمد

2 - غروب آفتاب کے بعد افطار میں احتیاطا تاخیر کرنا۔

روزہ کی مدت صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک ہے۔ جب سورج غروب ہو جائے اور مؤذن مغرب کی اذان دے دے تو افطار میں احتیاطا تاخیر ایک غیر ضروری عمل اور سنت نبوی سے اعراض کرنا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «لا يزال الناس بخير ما عجلوا الفطر» لوگ اس وقت تک خیر میں ہوں گے جب تک افطار میں جلدی کریں گے۔ (صحیح بخاری

(335/1)- ایک دوسری حدیث میں ہے: لا يزال الدين ظاهراً ما عَجَلَ الناسُ الفِطْرَ؛ لأن اليهود والنصارى يؤخرون » جب تک لوگ افطار میں جلدی کریں گے دین غالب رہے گا، اس لیے کہ یہود و نصاری افطار میں تاخیر کرتے ہیں۔ (سنن ابی داود (2353) و مسند احمد (503/15) علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح اِبی داوٗد (1217) میں اسے حسن قرار دیا ہے)

علامہ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث افطار میں تاخیر کرنے کی کراہیت کا تقاضا کرتی ہے چہ جائیکہ اسے چھوڑ دیا جائے، اور جب تاخیر کرنا مکروہ ہوا تو یہ عبادت نہیں بن سکتا کیونکہ عبادت کا ادنی درجہ یہ ہے کہ وہ مستحب ہو"۔ (زاد المعاد فی ہدی خیر العباد (36/2)

3۔ دن میں احتلام ہونے یا جنبی کی حالت میں فجر کی اذان ہو جانے پر روزہ نہ رکھنا۔

بہت سارے لوگوں کے اندر یہ غلطی پائی جاتی ہے کہ دن میں احتلام ہونے کی بنا پر روزہ ترک کر دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس سے ان کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی طرح جنبی کی حالت میں فجر کی اذان ہو جانے پر کچھ لوگ اس دن روزہ رکھنا جائز ہی نہیں سمجھتے۔ بہت سارے حضرات اکثر شرم وحیا کی وجہ سے علماء سے یہ مسائل دریافت نہیں کرتے، حالانکہ شرعی مسائل دریافت کرنے میں کسی طرح کی شرمندگی نہیں ہونی چاہیے، ایسے حضرات شرم وحیا کے نتیجے میں لاعلمی کی بنا پر اپنے روزہ کو برباد کر ڈالتے ہیں۔ روزہ کی حالت میں بیوی سے جماع یا استمناء (بینڈنگ) کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ لیکن حالت صیام میں احتلام کی وجہ سے روزہ فاسد ہونے کی کوئی دلیل نہیں ملی۔ (واللہ اعلم) اور اہل علم نے اسے مبطلات صیام میں شمار نہیں کیا ہے کیونکہ یہ بندے کا اختیاری عمل نہیں ہے۔

اس کے بر عکس عائشہ وام سلمہ رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں سے جماع کی وجہ سے جنبی ہوتے اور اسی حالت میں فجر ہو جاتی پھر آپ غسل کرتے اور روزہ رکھتے تھے۔ (صحیح بخاری 1925، وصحیح مسلم (1109)

4 - سحری کرنے کا موقع نہ ملنے پر اس دن کا روزہ ترک کر دینا۔

بعض حضرات جگہ نہ پانے کی وجہ سے بسا اوقات سحری نہیں کر پاتے اور بغیر سحری کے روزہ کو ناجائز سمجھ کر روزہ چھوڑ دیتے ہیں۔ حالانکہ سحری کو علماء نے صرف مستحب ومسنون عمل کہا ہے، کسی نے اسے واجب یا شرط نہیں قرار دیا ہے۔ علامہ ابن المنذر ابن قدامہ اور نووی رحمہم اللہ نے اس کے مستحب ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔ دیکھیں: الاجماع لابن المنذر (49) المغنی لابن قدامہ (54/3)، المنہاج شرح مسلم بن الحجاج (7/206)

لہٰذا اگر سحری کرنے کا موقع نہ ملے تو بغیر سحری کے روزہ رکھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ واللہ اعلم

5 - نماز تراویح نہ پڑھنے کی صورت میں روزہ کو فاسد سمجھنا۔

کچھ لوگوں سے ہر سال یہ سوال سننے کو ملتا ہے کہ فلاں شخص نے یا میں نے آج تراویح کی نماز نہیں پڑھی ہے کیا ایسی صورت میں روزہ رکھنا درست ہے؟ ایسے حضرات کو معلوم ہونا چاہیے کہ نماز تراویح روزہ کی صحت کے لیے شرط نہیں ہے۔ اس کے بغیر بھی روزہ درست ہے۔ لیکن نماز تراویح بہت ہی زیادہ اجر و ثواب والا عمل ہے اور ماہ رمضان خیر و برکات اور نیکیوں کے سمیٹنے کا مہینہ ہے۔ اس لیے بہت ہی بڑا محروم ہے وہ شخص جو جان بوجھ کر بغیر کسی عذر کے اس عظیم اجر سے دور رہتا ہے۔ سب کو شدت سے باجماعت اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اللہ تعالی ہم سب کو اسے قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

کیاتراویح میں ختم قرآن ضروری ہے؟

مشتاق احمد بن مختار احمد
استاذ جامعہ اسلامیہ دریاباد

یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ قرآن مجید آسمانی کتابوں میں اللہ کی نازل کردہ آخری کتاب ہے ، جسکاآغاز نزول رمضان کی مقدس راتوں سے ہوا،اس اعتبار سے قرآن اور رمضان کے درمیان بڑا گہرا ربط اور رشتہ ہے۔ نبی ﷺ کی سیرت سے پتہ چلتاہے کہ آپ بطور خاص اس ماہ مقدس میں ختم قرآن کا بڑااہتمام کرتے بلکہ جبریل علیہ السلام نازل ہوتے اور قرآن کا مدارسہ اور مذاکرہ آپ کو کرواتے، حدیث میں آتاہے۔عن ابن عباس أن رسول اللهﷺ كان من أجود الناس، و أجود ما يكون فى رمضان حين يلقاه جبريل، يلقاه كل ليلة يدارسه القرآن، فكان رسول الله حين يلقاه جبريل أجود من الريح المرسلة" (مسند أحمد رقم/٣٥٣٩) صحيح البخاري (6)

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے،اور رمضان میں جب جبریل علیہ السلام آپ سے ملاقات کرتے تواور سخی ہوجاتے، جبریل روزانہ ملاقات کرتے اور قرآن کریم کا مذاکرہ اور مدارسہ کرواتے،اورجب جبریل آپ سے ملاقات کرتے اس وقت آپ تیز تند ہواسے بھی زیادہ سخی ہوجاتے۔

مذاکرہ اور مدارسہ کا مقصد تثبت اوراستقرار ہوتا تھا، معلوم ہوا کہ رمضان اور قرآن کے مابین بڑا گہرا ربط ہے،اور کیوں نہ ہو کیوں کہ اس میں قیام اللیل بھی ہے جس میں قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہےاور دیگر مہینوں سے کہیں زیادہ لوگ قرآن پڑھنے کااہتمام بھی کرتے ہیں، یہ تورہامسئلہ

رمضان میں تلاوت قرآن کریم اور اسکی فضیلت کے تعلق سے ، یہاں ایک مسئلہ یہ ہے کہ کیا تراویح میں ختم قرآن ضروری ہے؟

چونکہ بہت سارے لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ جب تک تراویح میں قرآن ختم نہ ہو تب تک تراویح ادھوری اور ناقص رہے گی، یا ثواب میں کمی واقع ہو جائے گی، یہی وجہ ہے کہ لوگ اس ماہ میں شبینہ کا اہتمام کرتے ہیں اور کسی بلیٹ ٹرین کے مانند حافظ کو اختیار کر کے ایک ہی رات میں قرآن ختم کر دیتے ہیں، قرآن ختم کرنے کی اتنی جلدی ہوتی کہ الأمان والحفیظ، جسکا مشاہدہ راقم نے خود اپنی آنکھوں سے دہلی کی شاہی مسجد میں کئی بار یہ افسوس ناک منظر دیکھ چکا ہے، وہاں دسیوں مقامات پر لوگ تراویح کی نماز ادا کرتے ہیں، ہر آدمی اپنے من پسند حافظ کو ڈھونڈ کر چند دنوں میں قرآن ختم کر کے بقیہ دنوں کی چھٹی کروالیتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ قیام اللیل سے زیادہ قرآن کا ختم کرنا ضروری ہے، کیا ایسا کرنا ہمارے نبی کی سنت تھی، کیا ایسا کرنا خلفائے راشدین اور صحابہ کرام جیسی نفوس قدسیہ سے ثابت ہے؟! آخر اس عمل کو کیا نام دیا جائے؟ کیا اس عمل کو بدعت سے تعبیر نہ کرنا بدعت کی توہین نہیں ہو گی؟

اسی طرح یہ بات بھی کسی سے مخفی نہیں کہ تلاوت قرآن کریم اور اسکا سننا ایک پسندیدہ اور محبوب عمل ہے، تلاوت رفع درجات، کثرت حسنات، اور آخرت میں شفاعت کا باعث ہے، اس کی سماعت سے روح کو تازگی، دنیاوی ھموم و غموم سے چھٹکارا ملتا ہے، بیمار دل کو شفاء، قلب و جگر کو سکون وقرار حاصل ہوتا ہے۔ نبی ﷺ ایک حدیث میں فرماتے ہیں: " مثل المؤمن الذى يقرأ القرآن مثل الأترجة ريحها طيب وطعمها طيب ومثل المؤمن الذى لا يقرأ القرآن مثل التمرة طعمها طيب ولا ريح لها، ومثل الفاجر الذى لا يقرأ القرآن كمثل الحنظلة طعمها مر ولا ريح لها" (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۸۹۶)

ترجمہ: اس مومن کی مثال جو قرآن مجید پڑھتا رہتا ہے وہ ایسے ہی جیسے مالٹا (سنترہ جیسا ایک پھل) کا پھل جسکی خوشبو اور ذائقہ دونوں اچھا ہوتا ہے اور وہ مومن بندہ جو قرآن نہیں پڑھتا وہ کھجور کی مانند ہے جسکا ذائقہ تو اچھا ہے لیکن کوئی خوشبو نہیں، اور فاجر کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا تھوہڑ کے درخت کے مانند ہے جسکا ذائقہ بھی کڑوا اور اس کی کوئی خوشبو بھی نہیں ہوتی۔

سال کے دیگر مہینوں میں ختم قرآن کی اکثر مدت کے سلسلے میں کوئی قطعی نص وارد نہیں البتہ اقل مدت کے سلسلے میں ہے کہ تین دن سے کم پر قرآن ختم نہ کیا جائے جیسا کہ عبداللہ بن عمرو کہتے ہی کہ: "أمرنی رسول الله أن لا أقرأ القرآن فی أقل من ثلاث" (سنن الدارمی، باب فی ختم القرآن ۲/۵۶۲، رقم الحدیث: ۳۴۸۷) ترجمہ: مجھے نبی ﷺ نے حکم دیا کہ قرآن کو تین دن سے کم پر نہ ختم کروں۔

سنن الدارمی کے محقق حسین سلیم اسد نے اس حدیث پر ضعف کا حکم لگایا ہے، کہتے ہیں کہ اس کی سند میں "عبدالرحمٰن بن رافع" ضعیف راوی ہے اور "عبدالرحمٰن بن زیاد" بھی ضعیف ہے۔

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ سند گرچہ ضعیف ہے لیکن معنیٰ صحیح ہے کیونکہ اس روایت کا شاہد ہے جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ سے مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "اقرووْا القرآن فی سبع ولا تقرووْہ فی أقل من ثلاث" (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۴۲، رقم الحدیث: ۸۵۸۵ باب فی القرآن فی کم یختم؟، والسنن الکبری للبیہقی ۲/۵۵۵ رقم الحدیث: ۴۰۵۹) (اصل صفۃ صلاۃ النبی للالبانی ۲/۵۲۲) اور دوسری حدیث میں یوں آیا ہے: "لا یفقه من قرأه فی أقل من ثلاث" تین دن سے کم پر ختم کرنے والا قرآن کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ (سنن ابی داود ، باب فی کم یقرأ القرآن، رقم الحدیث: ۱۳۹۰، مسند احمد رقم: ۶۷۷۵)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "لا يقرأ القرآن في أقل من ثلاث" قرآن کو تین دن سے کم پر ختم نہ کیا جائے۔(المعجم الکبیر للطبرانی ۹/۱۴۳، رقم: ۸۷۰۷)

اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ تین دن سے کم پر قرآن ختم نہیں کرتے، ابی بن کعب آٹھ دن سے کم پر نہیں ختم کرتے، اور تمیم الداری سات دن میں قرآن ختم کرتے۔(مختصر قیام اللیل وقیام رمضان وکتاب الوتر للمروزی ص/۱۵۵)

ان احادیث اور آثار صحابہ سے پتہ چلتا ہے کہ تین دن سے کم پر قرآن ختم کرنا یا اسکا اہتمام کرنا دانشمندی نہیں احمقانہ حرکت ہے، جب ایسا کرنا عام دنوں میں منع ہے تو بھلا تراویح میں کرنا ایسا کیونکر جائز ہو سکتا ہے جب کہ اس میں قیام، رکوع سجود اور تشہد وغیرہ ہیں۔

اسی لئے درست اور حق بات یہ ہے کہ تین دن سے کم پر ختم قرآن جائز نہیں۔یہی قول امام احمد اور دیگر ائمہ کا بھی ہے۔(اصل صفۃ صلاۃ النبی للالبانی ص/۵۲۱)

تراویح میں قرآن ختم کرنے کو واجب یا سنت سمجھنا حد درجہ جہالت پر مبنی بات ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: "وأما قراءة القرآن في التراويح: فمستحب باتفاق أئمة المسلمين بل من أجل مقصود التراويح قراءة القرآن فيها ليسمع المسلمون كلام الله فإن شهر رمضان فيه نزل القرآن وفيه كان جبريل يدارس النبي ﷺ القرآن" [مجموع الفتاویٰ ۱۲۲/۲۳-۱۲۳] (تراویح میں قرآن پڑھنا باتفاق ائمہ مسلمین مستحب ہے بلکہ تراویح کا ایک اہم مقصد اس میں قرآن پڑھنا ہے، تاکہ مسلمان اللہ کا کلام سن لیں کیوں کہ ماہ رمضان میں قرآن نازل ہوا ہے اور اسی میں جبریل نبی ﷺ کے ساتھ قرآن کا مذاکرہ اور مدارسہ (پڑھنا پڑھانا) کرتے تھے)، اسی لئے امام مالک رحمہ اللہ فرماتے تھے: "وليس ختم القرآن في رمضان بسنة للقيام" یعنی رمضان میں قیام کی غرض سے

ختم قرآن مسنون عمل نہیں۔(المدونۃ لإمام مالک ۱/۲۸۸)، امام ربیعہ کہتے ہیں :"ختم القرآن فی رمضان لقیام الناس لیست بسنۃ" ختم قرآن کے چکر میں لوگوں سے رمضان میں قیام کروانا یا کرنا یہ سنت سے ثابت نہیں۔(المدونۃ لإمام مالک ۱/۲۸۹)) یہاں تک امام ربیعہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایک ہی سورت سے لوگوں کی امامت کرتا ہے اور مہینہ ختم ہو جاتا ہے تو یہ کفایت کر جائے گا۔

البتہ احناف کا قول اس مسئلہ میں انتہائی مختلف ہے، احناف کے یہاں رمضان (تراویح) میں ایک بار ختم قرآن مستحب ہے، بعض کے بقول تین بار ختم قرآن مستحب ہے، یعنی ہر دس دن پر، اور بعض کے بقول: ستائیسویں رات ختم قرآن مستحب ہے۔مزید یہ بھی تذکرہ ملتا ہے قوم والوں کی کاہلی اور سستی کی وجہ سے ختم قرآن کو ترک نہیں کیا جائے گا۔(فتح القدیر لابن الہمام ۱/۴۶۹، وحاشیہ ابن عابدین ۲/۴۶)

شوافع کے یہاں ختم قرآن پورے مہینے میں مستحب ہے۔ابن الصلاح سے سوال کیا گیا ہے دو آدمی ہیں ان میں سے ایک آدمی پورے رمضان میں تراویح میں سورۃ فاتحہ اور تین بار سورۃ الاخلاص پڑھتا ہے اور وہیں پر دوسرا شخص پورے مہینے میں مکمل قرآن کا اہتمام کرتا ہے ان دونوں میں نماز کے اعتبار سے کون افضل ہے؟اس پر ابن الصلاح نے جواب دیا دوسرا شخص افضل ہے۔(فتاوی ابن الصلاح ۲۴۹)۔

حنابلہ کے یہاں تراویح میں ایک بار ختم قرآن مستحب ہے، ایک سے زائد بار ختم نہ کیا جائے کیونکہ نمازیوں کو تکلیف ہوگی۔(الفروع لابن المفلح ۲/۳۷۵، والانصاف للمرداوی ۲/۱۸۴)

ابن عثیمین رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ اگر امام صاحب مصحف دیکھ کر فجر اور عشاء کی نماز پڑھاتا ہے تاکہ تراویح میں قرآن ختم کیا جاسکے کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟

اس پر آپ نے جواب دیا: "نسأل الله أن يرزقنا وإياكم الحكمة والعلم النافع يظن بعض الناس أن التراويح لا بد فيها من ختمه وأقول: لم يرد فی السنة عن رسول الله ﷺ ولا عن الخلفاء الراشدين فيما أعلم بل ولا عن الصحابة أنهم كانوا يلازمون الختمة فی التراويح حسب قراءتنا"

یعنی بعض لوگ ایسا سمجھتے ہیں کہ تراویح میں ختم قرآن ضروری ہے، اور میں کہتا ہوں کہ اس سلسلے میں نبی ﷺ اور نہ ہی خلفاء راشدین سے کچھ ثابت ہے اور نہ ہی دیگر صحابہ کرام سے، ہمارے علم کی حد تک یہ ثابت ہی نہیں کہ وہ لوگ تراویح میں ختم قرآن کا التزام کرتے تھے۔ (جلسات رمضانیہ لابن عثیمین ص/۵۷)

اسی سے ملتا جلتا سعودی عرب کی لجنہ دائمہ کا بھی فتوی ہے '' صلاة التراويح سنة مؤكدة والمشروع الإطمئنان فی قراءتها و فی قيامها وركوعها وسجودها وبقية أركانها وليس واجباً أن يختم القرآن كله فی صلاة التراويح''[فتاوى اللجنة الدائمة ۶/۹۳]

نماز تراویح سنت موکدہ ہے جو بات مشروع ہے وہ یہ ہے کہ رکوع، سجدہ قیام اور دیگر ارکان انتہائی سکون ووقار سے ادا کئے جائیں ختم قرآن نماز تراویح میں واجب نہیں۔

جب کہ لوگ اس کو واجب سمجھتے ہیں یہی وجہ کہ حفاظ کو باقاعدہ مدعو کیا جاتا ہے اور یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں مسجد میں اتنے دنوں میں فلاں قاری کے پیچھے تراویح کی نماز ادا کی جائے گی اور ہوتا یہ ہے کہ ہفتہ دس دن میں ختم قرآن کر کے بقیہ دنوں میں داد عیش دیتے ہیں، اور امام صاحب پیمینٹ لے کر چلتا بنتے ہیں۔

یہاں یہ بات واضح ہو گئی کہ تراویح میں ختم قرآن عبادت کے قبیل سے ہے اور اس کے جواز کی

دلیل چاہیئے اور ظاہر ہے سنت اور سلف سے یہ عمل ثابت نہیں ہے اور جب عمر نے تراویح کے ائمہ متعین کیئے تو بھی انہیں قرآن ختم کرنے کی تاکید نہ کی، اور جب تراویح میں قرآن ختم کرنا شریعت میں ثابت نہیں ہے تو اصل یہ ہے کہ امام تراویح میں لمبی قراءت کرے جیسا کہ نبی ﷺ کا طریقہ تھا، اور لوگوں کو مشقت میں نہ ڈالے خواہ قرآن ختم ہو یا نہ ہو۔

نمازِ تراویح میں ختم قرآن کو سنت بنانے کے نقصانات بہت زیادہ ہیں ان میں سے بعض کا تذکرہ یہاں کیا جارہا ہے:

☆ عوام عام طور سے یہ سمجھنے لگے ہیں کہ تراویح میں قرآن ختم کرنا ایسا مسنون عمل ہے کہ اس کا ترک بڑے خسارے کا سبب ہے، نبی ﷺ کی طرف ایسا عمل منسوب کیا جارہا ہے جس سے کہ آپ ﷺ بالکل بری ہیں، گویا کہ جو سنت نہیں ہے اس کو سنت اور جو دین نہیں ہے اسے دین بنانے کا جرم عظیم اس میں موجود ہے۔

☆ اسی لئے شبینہ تراویح، سہ روزہ تراویح، اور پندرہ روزہ تراویح کا اہتمام کیا جاتا ہے، یعنی ان متعین دنوں کی تراویح میں قرآن ختم کرکے تراویح کو بھی ختم کردیا جاتا ہے، یعنی اگر ایک رات میں قرآن ختم کرلیا تو پھر باقی راتوں میں تراویح پڑھنے سے اعراض برتا جاتا ہے، یعنی جب بھی قرآن ختم ہوا تراویح رخصت ہوگئی، خود میں نے بارہا متعدد جگہوں پر لوگوں کو ایسا کرتے دیکھا ہے، اسی لئے علماء اس بات کو بدعت قرار دیتے ہیں، دکتور موسی نصر حفظہ اللہ نے کہا: "(من البدع) ترک القیام باقی لیالی رمضان بعد الختم" [بدع القرأء/۲۴، معجم البدع، رائد صبری/142]

☆ ختم قرآن کا اہتمام کرنے کے لئے وہ بھیڑ جمع ہوتی ہے کہ مردوں و عورتوں کا ازدحام عید کا منظر پیش کرتا ہے، باقی دنوں میں تراویح پڑھیں یا نہ پڑھیں مگر ختم قرآن میں ضرور حاضر ہوں گے، اور

وہ بھی سج سنور کر، گویا کہ یہ بھی کوئی عید ہے!! [دیکھیں معجم البدع/۲۹۲]

☆اسی طرح ختم کے لئے مختلف مساجد کا قصد کیا جاتا ہے کبھی یہاں اور کبھی وہاں ختم قرآن کی فضیلت اوراس کی دعا میں شرکت کی کوشش کی جاتی ہے، اوراس کے لئے اچھی آواز کا انتخاب کرنے کی بھی کوشش کی جاتی ہے اور جس کی آواز اچھی نہ ہو اس کی اقتدا سے کنارہ کشی اختیار کی جاتی ہے [دیکھیں: تصحیح الدعاء/۳۱۵-۳۱۴]

ابن الحاج نے کہا: ''ومن البدع تواعدهم للختم فيقولون: فلان يختم في ليلة كذا وفلان يختم في ليلة كذا ويعرض ذلك بعضهم على بعض ويكون ذلك بينهم بالنوبة حتى صار ذلك كأنه ولائم تعمل وشعائر تظهر فلا يزالون كذلك غالبا من انتصاف شهر رمضان إلى آخر الشهر'' [المدخل ۲/۳۰۵، ومعجم البدع/۲۹۳] (مأخوذ از مجلّہ استدراک (مئی تا اگست ۲۰۱۶، باب الفتاوی))

خلاصہ مضمون یہ نکلا کہ تراویح میں قرآن کا اہتمام ویسے ہی کیا جائے جیسا کہ ہمارے نبی ﷺ اور سلف کرتے تھے، اور تراویح میں ختم قرآن کا جو تصور ہے کہ ختم قرآن واجب کے درجے میں ہے اس کو اپنے ذہن ودماغ سے نکالا جائے، اور جسکو جو میسر ہو اسی پر اکتفا کرے، اور یہ یاد رہے ہم سلف سے آگے کبھی نہیں بڑھ سکتے سلف کا جو طریقہ کار رہا اس پر چلنے ہی میں ہماری نجات ہے، اور یہ بھی یاد رہے''وما لم يكن يومئذ دينا لم يكن اليوم دينا'' (جو اس وقت دین نہیں تھا وہ آج بھی دین نہیں بن سکتا)

اللہ ہمیں صحیح علم کی توفیق دے۔ آمین

جمعۃ الوداع کی حقیقت

ضمیر جمال جمال اختر
متعلّم: جامعہ مجمعہ سعودیہ عربیہ

دین اسلام ایک سیدھا اور مکمل دستور حیات ہے جس کو اختیار کرنے میں دنیا وآخرت کی کامرانیاں پنہاں ہیں یہ ایک ایسی روشن شاہراہ ہے جہاں رات و دن کا فرق واضح ہے اور اس میں کوئی پیچ و خم نہیں۔

اللہ رب العالمین نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس کی تکمیل فرمادی ہے، عقائد، عبادات، معاملات، اور اخلاقیات غرض یہ کی جملہ شعبہ ہائے زندگی میں کتاب وسنت ہی ہمارے لیے اصل دلیل ورہنما ہے، ہر میدان میں کتاب وسنت اور منہج سلف کی پابندی ہی ہمارے لیے کامیابی کی ضامن ہے۔

لیکن مرور ایام کے ساتھ ہماری صاف ستھری شریعت اور اس کی تعلیمات میں ملاوٹ اور کمی و بیشی ہونے لگی اور علمائے سوء نے اس میں طرح طرح کی بدعت وخرافات کو ایجاد کرنا شروع کر دیا، اور اس محمدی تعلیم کو نہ صرف بدنما اور گدلا کر دیا بلکہ اپنی بدعات وخرافات کے ذریعہ اس کی رعنائی کو بھی دھندلا کرنے کی ناروا کوشش کی۔

آیئے سب سے پہلے بدعت کے اجمالی مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

علامہ شاطبیؒ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں بدعت کی تعریف کچھ یوں کی ہے۔

"طريقه في الدين مخترعة تضاهي الشريعه يقصد بالسلوك عليها المبالغه في التعبد لله سبحانه" (الاِعتصام للشاطبیؒ ۱/۳۷)

یعنی کثرت عبادت کی غرض سے کسی ایسے راستے پر چلنا جس کو دین میں ایجاد کر لیا گیا ہو اور وہ (بظاہر) شریعت کے موافق ہو۔

اور علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بدعت کی تعریف کچھ یوں کی ہے۔

" البدعة في الدين هي ما لم يشرعه الله ولا رسوله" (مجموع الفتاوی ۴/۱۰۷)

یعنی دین میں ہر وہ چیز جس کو اللہ اور اس کے رسول نے مشروع نہ گردانا ہو۔

گویا پتہ چلا ہر وہ امر جس کا تعلق دین سے ہو اور اس پر اللہ اور اس کے رسول کا کوئی حکم موجود نہ ہو اور وہ چیزیں نئی نئی شریعت میں ایجاد کی ہوئی ہو تو اس کا شمار بدعت میں ہوگا۔

حدیث میں آتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتی ہیں

"من احدث في امرنا هذا ما ليس منه فهو رد" (بخاری ۲۶۹۷، مسلم ۱۷۱۸)

مسلم کی ایک روایت میں ہے: "من عمل عملا ليس عليه امرنا فهو رد" (مسلم ۱۷۱۸)

مفہوم یہ ہے کہ جس نے بھی دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی جس کا تعلق ہماری شریعت سے نہیں ہے تو وہ چیز مردود ہے۔

اسی طریقے سے جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کا تعلق ہماری شریعت سے نہیں ہے تو وہ چیز بھی مردود ہے۔

ایک مغالطہ : بعض بدعتی یہ مغالطہ پھیلاتے ہیں کہ بدعت وہ مذموم ہے جو بدعت سیئہ ہو، رہی بات بدعت حسنہ کی تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، حقیقت میں بدعت کی یہ تقسیم فرضی اور بناوٹی ہے اگر کہیں بدعت حسنہ کا تذکرہ ملتا ہے تو اس سے مراد لغوی بدعت ہے نہ کہ شرعی بدعت کیونکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر طرح کی بدعت کو گمراہی قرار دیا ہے اور حدیث میں آتا ہے:

"كل محدثه بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار" (سنن نسائی ۱۵۷۸، وصححہ الالبانی رحمہ اللہ) یعنی ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بدعت چاہے وہ حسنہ ہو یا سیئہ، بدعت بدعت ہوتی ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اس وجہ سے بدعت کی یہ تقسیم کسی بھی طور سے درست نہیں ہے۔

محترم قارئین: جس طریقے سے ہماری شریعت میں بے شمار بدعتیں ایجاد کی گئیں، طرح طرح کی خرافات کا وجود ہوا، انہیں بدعتوں میں سے ایک بدعت رمضان المبارک کا آخری جمعہ بھی ہے جو عوام میں الوداعی جمعہ کے نام سے مشہور ہے۔

اس جمعہ کو وہ اہمیت دی جاتی ہے جو اہمیت ہماری شریعت نے عید کو دیا ہے اس کے لیے لوگ خصوصی غسل کا اہتمام کرتے ہیں، کپڑے سلواتے ہیں، سج دھج کر، خوشبو وغیرہ لگا کر بڑے ہی تزک و احتشام کے ساتھ اس کے لیے نکلتے ہیں، جبکہ شرعی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو شریعت نے تمام جمعہ کو یکساں اور برابر گردانہ ہے۔

درحقیقت الوداعی جمعہ نام سے شریعت میں کوئی جمعہ موجود نہیں ہے، پس یہ بات نہ تو شرعا ثابت ہے اور نہ عقلا۔

البتہ بعض لوگوں نے اس الوداعی جمعہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حجۃ الوداع پر قیاس کرتے ہوئے جائز کہا ہے، لیکن چند وجوہات کی بنا پر یہ بات بھی درست نہیں ہے۔

پہلی بات یہ ہیکہ آپ نے نبوت کے بعد صرف ایک حج کیا اور یہی آپ کا پہلا اور آخری حج تھا اس لیے اس کو حجۃ الوداع کہا جاتا ہے، لیکن آپ کی زندگی میں ماہ رمضان تقریبا آٹھ یا نو بار آیا اور ہر بار یہ جمعہ بھی آیا لیکن نہ تو آپ نے اور نہ آپ کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کبھی اس کو جمعۃ الوداع یا الوداعی جمعہ کے نام سے موسوم کیا۔

دوسری بات حجۃ الوداع صرف آپ کے لیے تھا باقی آپ کے بعد خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام کسی نے بھی اپنے حج کو حجۃ الوداع سے تعبیر نہ کیا، اس لیے کسی طور سے الوداعی جمعہ یا جمعۃ الوداع کا نام شرعی نقطۂ نظر سے درست نہیں ہے۔

اب یہ بات واضح ہوئی کہ الوداعی جمعہ نام کی کوئی بھی عبادت یا اس نام کا کوئی بھی جمعہ ہماری شریعت میں موجود نہیں ہے تو ظاہر ہے اس میں کیے جانے والے خصوصی اعمال کا بھی تعلق ہماری شریعت سے نہیں ہو سکتا اور اس جمعہ کی کوئی خاص فضیلت نہیں ہو سکتی،

جس طرح سال کے دیگر مہینے کے جمعات ہیں اسی طرح رمضان المبارک کا آخری جمعہ بھی ہے، البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے آخری عشرے میں کچھ خاص عبادتیں کیا کرتے تھے جو امت کے لیے مشروع ہیں اور وہ اعتکاف اور لیلۃ القدر جیسی اہم اور بڑی عبادتیں ہیں۔

اسی طرح سے اس الوداعی جمعہ کا ایک الگ سے خطبہ تیار کیا جاتا ہے اس کے جانے پر حسرت و افسوس کا اظہار کیا جاتا ہے اور بعض الفاظ جیسے الوداع الوداع، الفراق الفراق، والسلام یا شہر رمضان، (ردع الِاخوان عن محدثات آخر جمعۃ رمضان للکنوی (ت: ۱۳۰۴) ۱/۶۷

اور "لااوحش اللہ منک یا شہر رمضان"، "یا شہر القرآن" (الدین الخالص للسبکی ۸/۵۲۵)

وغیرہ جیسے الفاظ کا ورد کیا جاتا ہے ۔

صاحب السنن والمبتدعات نے اس بارے میں لکھا ہے "اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ صریح جہالت ہے" (السنن والمبتدعات لمحمد خضر الشقیری ۱/۱۶۱)

اسی طرح سے اس جمعہ میں کی جانے والی ایک سب سے بڑی بدعت جسے لوگ قضائے عمری کے نام سے جانتے ہیں اس قضائے عمری کے متعلق بہت سارے جھوٹی اور بے بنیاد باتیں پیش کی جاتی ہیں جو عقل و نقل دونوں کے یکسر خلاف ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ رمضان کے آخری جمعہ کو ایک دن کی پانچ نمازیں مع وتر پڑھ لی جائیں تو عمر بھر کی چھوڑی ہوئی نمازوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

اس کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ الوداعی جمعہ کے دن چار نفل نماز ایک سلام سے پڑھ لی جائے تو تمام عمر کی قضا نمازوں کا کفارہ ہو جائے گا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس بدعی عمل کا ہماری شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے قرآن و حدیث میں اور فقہی مسالک کی معتبر کتابوں میں بھی کہیں اس کا ذکر نہیں ملتا۔

البتہ ایک جھوٹی اور باطل روایت ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع میں ذکر کیا ہے :

"من قضى صلاة من الفرائض في آخر جمعة من شهر رمضان كان ذلك جابرا لكل صلاة فائتة في عمره الى سبعين سنة" **(۱۹۱/۱)**

یعنی جو شخص رمضان کے آخری جمعہ میں ایک فرض نماز بطور قضا پڑھ لے اس کے 70 سال کی چھوٹی ہوئی نمازوں کی تلافی ہو جائے گی۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے خود اسرار المرفوعہ میں اس کے بارے میں لکھا ہے " باطل قطعا لانه مناقض للاجماع على ان شيئا من العبادات لا يقوم مقام فائتة سنوات" **(۳۵٦/۱)**

یعنی یہ حدیث یقینا باطل ہے کیونکہ یہ اجماع امت کے خلاف ہے اور ایک عبادت کبھی بھی فوت شدہ عبادتوں کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح یہ موضوع اور باطل روایت متعدد الفاظ اور متعدد طرق کے ساتھ نقل کی جاتی ہے، علامہ عبدالحئ لکھنوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ردع الاخوان میں ان تمام باطل روایتوں کا ایک زبردست ناقدانہ جائزہ لیا ہے۔

تفصیل کے لیے دیکھیں کتاب **ردع الاخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان**

انہیں میں سے ایک لفظ کے بارے میں علامہ شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"هذا موضوع لا اشكال فيه ولم اجده في شيء من الكتب التي جمع مصنفوها فيها الاحاديث الموضوعة ،ولكنه اشتهر عند جماعة من المتفقهة بمدينة صنعاء في عصرنا هذا وصار كثير منهم يفعلون ذلك لا ادري من وضعه لهم فقبح الله الكذابين" **(الفوائد المجموعة للشوكانی ۵۴/۱)**

یعنی بلا کسی چوں چرا کے یہ ایک موضوع روایت ہے موضوع احادیث پر لکھی گئی کسی کتاب میں نے اس حدیث کو نہیں پایا البتہ ہمارے ہی زمانے میں شہر صنعاء کے کچھ مدعیان فقہ کے درمیان یہ چیز مشہور ہے اور بیشتر لوگ اس میں ملوث بھی ہیں میرے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ اس کو کس نے وضع کیا البتہ جھوٹوں کو اللہ غارت کرے۔

علامہ زرقانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں "واقبح من ذلك ما اعتيد في بعض البلاد من صلاة الخمس في هذه الجمعة عقب صلاتها زاعمين انها تكفر الصلوات العامة او العمر المتروكه وذلك حرام بوجوه لا تخفى" (شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیۃ ۹/۲۶۳)

یعنی اس سے بری چیز یہ ہے جو بعض شہروں میں پائی جاتی ہے کہ لوگ اس جمعہ کے بعد پانچ وقت کی نماز پڑھتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ نماز شاید زندگی بھر یا عمر بھر چھوڑی ہوئی نمازوں کا کفارہ ہو گی، بلاشبہ یہ چیز حرام ہے۔

صاحب ردع الاخوان لکھتے ہیں " ان الروايات في باب القضاء العمري مكذوبة موضوعة، والاهتمام به مع اعتماده تكفير ما مضى بدعة باطلة" (۶۳/۱)

یعنی اس باب میں جتنی روایتیں ہیں ساری کی ساری جھوٹی اور گھڑی ہوئی موضوع روایتیں ہیں اور اس چیز کا اس اعتماد کے ساتھ اہتمام کرنا کہ گزشتہ گناہوں کا کفارہ ہوں گی یہ چیز بدعت اور باطل ہے۔

ایک اور جگہ علامہ عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں " بالجمله فهذه الصلاة التي اخترعوها مشتملة على مفاسد كثيرة واداؤها مع ما زعموا انه قضاء لما فات ،خلاف المعقول والمنقول، ومضاد للفروع والاصول" (ردع الاِخوان ۱/۳۱)

یعنی اس پوری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ یہ خودساختہ نماز کئی مفاسد واضرار پر مشتمل ہے، اور اس زعم کے ساتھ ان کی ادائیگی کی فوت شدہ نمازوں کا کفارہ ہے یہ عقل و نقل کے خلاف ہے اور فروع و اصول کے بھی مخالف ہے۔

خلاصہ کلام کے طور پر یہ چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں:

پہلی بات یہ ہے کہ رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو الوداعی جمعہ یا جمعۃالوداع کہنا ہی سرے سے غلط ہے۔

اس جمعہ کا بھی وہی نام ہے جو رمضان کے پہلے، دوسرے اور رمضان کے بعد کے جمعہ کا نام ہے، یہ الگ بات ہے کہ رمضان کا آخری عشرہ خصوصا اس کی راتیں پہلی دونوں عشروں سے زیادہ افضل ہیں، کیونکہ اس میں شب قدر اور اعتکاف جیسی اہم عبادتیں شامل ہیں، لیکن آخری عشرے کے صرف ایک دن یعنی جمعہ کو فوقیت دینا کسی بھی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ رمضان کے آخری جمعہ کو قضائے عمری کی نیت سے کوئی نماز پڑھنا بدعت و مردود ہے اس نماز سے عمر بھر کیا ایک دن کے نماز کی بھی تلافی نہیں ہوگی، اور دین میں بدعت انجام دینے کی وجہ سے الگ گناہ ملے گا، اور یہ نماز اس لیے بھی درست نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے لوگوں کا نماز چھوڑنا آسان ہو جائے گا اور پھر چھوڑے ہوئے نماز کو معاف کرانے کی ایک بدعی طریقے پر لوگ عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں گے۔

صدقہ فطر کے احکام ومسائل

_رفیع الدین نجم الدین الریاضی
استاذ جامعہ اسلامیہ دریاباد

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے دنیا میں مختلف قسم کے اسباب ووسائل فراہم کئے ہیں تاکہ وہ بآسانی زندگی گزار سکیں، انہیں اسباب معیشت میں ایک اہم چیز مال ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو عاریۃً دیا ہے، جیساکہ اللہ کا ارشاد ہے: { وَّاٰتُوهم مِّنْ مَّالِ اللہ الَّذِیْٓ اٰتٰئکُمْ } [النور: ۳۳] (اللہ کے عطا کردہ مال سے تم انہیں دو)

اللہ تعالیٰ ہی کی وہ ذات ہے جو اپنے بندوں میں مال کی تقسیم کرتی ہے، جسے چاہے زیادہ دے جسے چاہے کم دے، اور ہر ایک کو اس کی طاقت وقوت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے نیکی اور بھلائی کے کاموں میں مال خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: {وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ لا فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ} [المنافقون: ۱۰] (اور ہم نے جو کچھ تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے تو کہنے لگے اے میرے رب تو تھوڑی دیر کی مہلت کیوں نہیں دیتا کہ میں صدقہ کروں اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں)

اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ایک ایسی تجارت ہے جس میں منافع ہی منافع حاصل ہوتے ہیں، کبھی بھی خسارہ نہیں ہوتا بلکہ موجودہ مال میں برکت آتی ہے، اور مزید رزق کے دروازے کھلتے ہیں، جیسا

کہ اللہ کاارشاد ہے: {اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتٰبَ اللہِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً یَّرْجُوْنَ تِجَارَۃً لَّنْ تَبُوْرَ ٢٩ لِیُوَفِّیَھُمْ اُجُوْرَھُمْ وَ یَزِیْدَھُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ ط} [فاطر:-٢٩-٣٠] (بے شک وہ لوگ جو اللہ کی کتاب کو پڑھتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں، اور ہم نے انہیں جو کچھ دیا ہے اس میں سے خفیہ اور ظاہری طور پر خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کے امید وار ہیں جس میں کبھی خسارہ نہ ہوگا تاکہ اللہ انہیں پورا پورا اجر دے اور اپنے فضل سے مزید عطا کرے)۔

نیز حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''یا ابن آدم أنفق أنفق علیک'' [بخاری (٤٦٨٤) مسلم (٩٩٣) اے انسان تم خرچ کرتے رہو میں تم پر خرچ کرتا رہوں گا۔

یہ بات ہمیشہ ذہن میں رہنی چاہیے کہ مال خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتا بلکہ اس میں اضافہ ہوتا ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''من تصدق بعدل تمرۃ من کسب طیب لا یقبل اللہ الا الطیب فان اللہ یقبلھا بیمینہ ثم یربیھا لصاحبھا کما یربی أحدکم فلوہ حتی تکون مثل الجبل'' [بخاری (١٤١٠) مسلم (١٠١٤) (جو شخص حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کرے اور اللہ حلال مال ہی کو قبول کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے داہنے ہاتھ سے قبول کرتا ہے پھر صدقہ کرنے والے کے لئے اس کی پرورش ایسے کرتا ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنے بچھڑے کی پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ صدقہ ایک پہاڑ کے برابر ہوجاتا ہے)

اور دوسری جگہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''مانقصت صدقۃ من مال '' [مسلم (٢٥٨٨)] (صدقہ سے مال میں کچھ بھی کمی نہیں ہوتی)

معلوم ہوا کہ مال اللہ تعالیٰ کاایک عظیم عطیہ ہے، اس نے ہمیں نیکی اور بھلائی کے مختلف راستوں میں خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، انفاق فی سبیل اللہ کی بہت سی قسمیں ہیں، جن میں بعض واجب ہیں

اور بعض مستحب۔انہیں صدقاتِ واجبہ میں سے صدقۃالفطر ہے جو ہمارا موضوع ہے، اختصار کے ساتھ صدقۃالفطر کے احکام ومسائل پر روشنی ڈالی جارہی ہے۔

صدقۃالفطر کا مفہوم :

صدقۂ فطر کو شریعت میں صدقۂ فطر اور زکوۃ فطر سے تعبیر کیا گیا ہے، نیز اسے زکوۃ رمضان، زکوۃ صوم اور فطرہ بھی کہتے ہیں، [تحفۃالاحوذی ۳/۲۷۸، المغنی ۲/۶۴۵، فقہ الزکاۃ ۲/۹۱۷]۔

زکوۃلغت میں نمو، زیادتی، برکت، طہارت، خالص اور صلاح کے معنی میں مستعمل ہے۔[المعجم الوسیط/۳۹۶]

اصلاحِ شرع میں زکوۃ کی مختلف تعریفیں کی گئیں ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ زکوۃ اس مخصوص مال کو کہتے ہیں جو ایک گروہ کو مخصوص طریقے پر دیا جائے[تحفۃالاحوذی ۳/۱۹۵، المغنی ۲/۴۳۳، التعریفات للجرجانی/۱۵۲]

صدقہ: جو چیز اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے دیا جائے یا وہ عطیہ جس پر ثواب کی امید رکھی جائے[المعجم الوسیط/۵۱۱، التعریفات/۱۷۴] لفظ صدقہ کا اطلاق شریعت میں واجبی اور نفلی دونوں پر ہوتا ہے[فقہ الزکوۃ ۲/۹۱۷]

زکوۃ فطر سے مراد وہ صدقہ ہے جسے رمضان کی تکمیل کے بعد فقیروں اور مسکینوں کو دیا جائے۔

روزہ دار روزے کی حالت میں حتی الامکان گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور کرنا بھی چاہیے مگر وہ معصوم نہیں ہے اس سے لغزش اور غلطی ہو سکتی ہے، وہ گناہ اور برائی میں مبتلا ہو سکتا ہے، زبان سے بے ہودہ اور لغو باتیں نکل سکتی ہیں، اس لئے ہمارے نبی ﷺ نے ہمارے روزوں کو ان

نقصانات سے پاک وصاف کرنے اور مقبول بنانے کے لئے ایک آسان صورت بتائی ہے جسے اصطلاح میں صدقۂ فطر کہتے ہیں۔

صدقۂ فطر کا حکم:

صدقۂ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: {قد افلح من تزکی} [الاعلی: ۱۴]

(وہ کامیاب ہوا جس نے زکوۃ ادا کی)

ابو سعید خدری، عبداللہ بن عمر، واثلہ بن اسقع، ابوالعالیہ، محمد بن سیرین، امام نخعی، قتادہ اور عطا کے نزدیک "تزکی" سے صدقۂ فطر ادا کرنا مراد ہے۔[الدر المنثور ۵۶۹/۶، تفسیر القرطبی ۲۱/۲۰، تفسیر الطبری ۱۹۰/۳۰]۔

نیز اللہ تعالیٰ کے قول: {وآتواالزکوٰۃ} [البقرۃ: ۴۳] کے عموم میں زکوۃ فطر بھی داخل ہے، [الملخص الفقہی ۳۵۰/۱]

حدیث رسول بھی صدقہ فطر کے وجوب پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے: ''عن ابن عمر قال: فرض رسول اللہ ﷺ زکوۃ الفطر من رمضان صاعامن تمر أوصاعا من شعیر علی العبد والحر والذکر والأنثیٰ والصغیر والکبیرمن المسلمین'' [بخاری (۱۵۰۳) مسلم (۲۲۷۵)] رسول اللہ ﷺ نے جو، یا کھجور کا ایک صاع زکوۃ فطر ہر مسلمان آزاد، غلام، مرد، عورت، چھوٹے، بڑے پر فرض کیا ہے۔

علامہ ابن المنذر نے زکوۃ فطر کے وجوب پر اجماع نقل کیا ہے [المغنی ۶۴۵/۲] جمہور علماء سلف وخلف نے کہا ہے کہ "فرض" یہاں پر واجب اور لازم کرنے کے معنی میں ہے تو زکوۃ فطر ان کے

نزدیک فرض ہے، اللہ کے قول{وآتوا الزكوة }کے عموم میں داخل ہونے اور نبی کے قول **"فرض"** کی وجہ سے، کیوں کہ **"فرض"** کا یہی معنی شریعت میں مستعمل ہے۔فرض کے معنی واجب اور لازم کرنے کے ہیں، اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ حدیث میں فرض کے بعد علیٰ ہے جو وجوب ہی کا فائدہ دیتا ہے، نیز صحیح روایتوں میں امر بھی آیا ہے اور امر کا ظاہری معنی وجوب ہی ہوتا ہے [تحفۃ الاحوذی ۲/۲۸۲، فقہ الزکوۃ ۲/۹۱۹-۹۱۸]۔

صدقۂ فطر کی فرضیت:

صدقۂ فطر رمضان سنہ ۲ ہجری میں عید سے دو روز قبل فرض کیا گیا۔[تحفۃ الاحوذی ۳/۲۷۸، فقہ الزکوۃ ۲/۹۱۸]

صدقۂ فطر کس پر فرض ہے:

زکوۃ فطر ہر اس مسلمان پر فرض ہے جس کے پاس عید کے دن اور اس کی رات میں اپنے اور اپنے اہل وعیال کی خوراک اور بنیادی ضروریات سے زائد ہو، اور یہ ہر قسم کے مسلمانوں پر فرض ہے، اس میں آزاد وغلام، مرد وعورت، چھوٹے وبڑے، امیر وغریب، شہری ودیہاتی، روزہ دار وغیر روزہ دار کے درمیان کوئی فرق نہیں نیز اس کے لئے نصاب زکوۃ کے مالک ہونے کی شرط بھی نہیں ہے، کیوں کہ صدقۂ فطر بدن اور جسم پر فرض ہے مال پر نہیں، اور نہ ہی مال کی کمی وزیادتی سے صدقۂ فطر کم اور زیادہ ہوتا ہے، بلکہ یہ کفارہ کی طرح ہر طرح کے آدمی پر فرض ہے۔ جیسا کہ حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں: ''ہر چھوٹے بڑے، مرد عورت، امیر وغریب آزاد وغلام مسلمان پر صدقۂ فطر فرض ہے، جس کے پاس عید کے دن اپنے اور اپنے اہل وعیال کی خوراک سے زائد غلہ

ہو، [المغنی ۲/۶۴۶] حدیث ابن عمر کی تشریح کرتے ہوئے امام نووی فرماتے ہیں کہ: ''اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ صدقۂ فطر ہر مسلمان پر فرض ہے، وہ جہاں بھی بستے ہوں، شہری ہوں یا دیہاتی، خیموں میں بسنے والے ہوں یا پہاڑوں میں'' [تحفۃ الاحوذی ۳/۲۸۳]

صدقہ فطر کے لئے نصاب کا مالک ہونا شرط نہیں ہے، جیسا کہ ابن عمر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کیوں کہ نبی ﷺ نے ہر مسلمان پر صدقۂ فطر فرض قرار دیا ہے، خواہ وہ امیر ہو یا غریب، اور غریب آدمی صاحب نصاب نہیں ہوتا ہے، اس مفہوم کی تائید عبداللہ ابن ثعلبہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد موجود ہے ''أما غنيكم فيزكيه الله وأما فقيركم فيردعليه أكثر مما أعطاه'' [ابوداود (۱۶۵۱۹) ہدایۃ الرواۃ ۲/۲۶۵]

علامہ البانی نے متابعت کی وجہ سے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

صدقۂ فطر کو نبی ﷺ نے ''طهرة للصائم من اللغو والرفث وطعمة للمساكين'' [ابوداود (۱۶۰۹) حسن، ہدایۃ الرواۃ ۲/۲۶۴]۔ لغو وفحش سے روزہ دار کی پاکی اور مسکینوں کی خوراک بتایا ہے، بنابریں صدقۂ فطر ہر روزہ دار پر فرض ہے، اور روزہ دار امیر وغریب دونوں ہو سکتے ہیں، اور غیر روزہ داروں پر بھی صدقۂ فطر فرض ہے، کیوں کہ یہ مسکینوں کی خوراک بھی ہے۔

علامہ شوکانی اس مسئلہ پر مفصل گفتگو کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ درست بات یہی ہے کہ صدقۂ فطر کے لئے مالک نصاب ہونا شرط نہیں ہے، کیوں کہ نصوص مطلق ہیں غنی اور فقیر کی تخصیص نہیں ہے، جب کہ جو علت شارع نے بتائی ہے دونوں میں مشترک ہے، وہ یہ ہے کہ روزہ دار کا لغو وفحش کاموں سے پاک ہونا، [نیل الاوطار ۳/۳۱۳]

صدقۂ فطر کی حکمت :

شریعت مطہرہ میں صدقۂ فطر کی مشروعیت کے دو عظیم مقاصد بیان کیئے گئے ہیں:

1-اسکا تعلق روزہ داروں سے ہے، یہ بات واضح ہے کہ صوم صرف کھانے پینے اور جماع سے رُک جانے کا نام نہیں ہے، بلکہ صوم (روزہ) غیبت، چغلی، گالی گلوچ، جھوٹ اور دیگر تمام برائیوں سے رُک جانے کو کہتے ہیں، تاکہ وہ روزہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں مقبول ہو، اور روزہ دار ایسا کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے، پھر بھی اس سے روزہ کی حالت میں لغزش ہو سکتی ہے، گناہ اور برائی میں مبتلا ہو سکتا ہے، دانستہ یا غیر دانستہ کچھ غلط حرکتیں سرزد ہو جاتی ہیں، زبان سے بے ہودہ اور غلط باتیں نکل جاتی ہیں، جس سے اس کے روزہ کے ثواب میں کمی واقع ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اسی غلطی کی تلافی کے لئے صدقۂ فطر فرض کیا ہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے

:"فرض رسول الله ﷺ زكوة الفطر طهرة للصائم من اللغو والرفث وطعمة للمساكين"

[ابوداؤد (۱۶۰۹) حسن، ہدایۃ الرواۃ ۲/ ۲۶۴] (اللہ کے رسول ﷺ نے زکوۃ فطر فرض کیا تاکہ روزہ دار کا روزہ لغو اور فحش گوئی سے پاک ہو جائے اور مسکینوں کے کھانے کا انتظام ہو جائے)

2-اس کا تعلق مسلم معاشرے سے ہے، یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ عید کا دن فرحت و شادمانی کا دن ہے، لہٰذا ہونا یہ چاہیے کہ مسلم معاشرے کا ہر طبقہ خوشی منائے، مالداروں کے پاس تو کھانے پینے کی فراوانی ہے وہ کچھ دن کام نہ کریں تب بھی اپنا اور اپنے اہل وعیال کا پیٹ بھر سکتے ہیں، لیکن معاشرہ کا غریب طبقہ پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے اس روز بھی کام کرنے کی کوشش کرے گا، فقراء و مساکین کی انہی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے شریعت اسلامیہ نے صدقۂ فطر کو ہر مسلمان پر فرض کیا، تاکہ عید کی خوشی میں فقراء و مساکین کو بھی شریک کر لیا جائے اور معاشرے کا

کمزور طبقہ بھی عید کے دن بغیر کمائے اپنی ضروریات پوری کر سکے اور اسے خوشی کے دن اپنا پیٹ بھرنے کے لئے دوسروں کے سامنے اپنا ہاتھ نہ پھیلانا پڑے، جیسا کہ گزشتہ حدیث میں صدقۂ فطر کو "**طعمۃ للمساکین**" مسکینوں کی خوراک بتایا گیا ہے۔

صدقۂ فطر کی مقدار:

صدقہ فطر اس غلہ سے دینا چاہیے جو وہاں کے لوگوں کی خوراک ہو، کسی فرق وامتیاز کے بغیر ہر مسلم شخص پر ایک صاع حجازی واجب ہے جیسا کہ احادیث سے ثبوت ملتا ہے:

١ - عن ابن عمر" قال فرض رسول الله ﷺ زكاة الفطر من رمضان صاعا من تمر أوصاعا من شعير على العبد والحر---" [بخاری (۱۵۰۳) مسلم (۲۲۷۵)]۔

٢- عن أبي سعيد قال كنا نخرج زكاة الفطر إذا كان فينا رسول الله ﷺ صاعا من طعام أوصاعا من شعير أوصاعا من زبيب أوصاعاً من أقط فلم يزل كذلك حتى قدم معاوية المدينة فقال إني لأرى مدين من سمراء الشام يعدل صاعا من تمر فأخذ الناس بذلك قال ابوسعيد فلا أزال أخرجه كما كنت أخرجه" [بخاری(۱۵۰۸) مسلم(۹۸۵)]

٣-عن ابي سعيد قال كنا نخرج زكاة الفطر صاعا من طعام أوصاعا من شعيرأو صاعا من تمر أوصاعا من أقط أوصاعا من زبيب" [بخاری(۱۵۰۷) مسلم(۹۸۵)]

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی دونوں حدیثوں کا ماحصل یہ ہے کہ صحابۂ کرام نبی ﷺ کے زمانے میں ہر قسم کے غلہ جو، کھجور، کشمش، اور پنیر سے ایک صاع نکالتے تھے اور ان کا عمل معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت سے قبل اسی پر تھا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ جب اپنے دورِ خلافت میں مدینہ آئے تو

انہوں نے کہا: کہ میرا خیال ہے کہ ایک صاع کھجور دو مد شامی گیہوں کے برابر ہے، تو لوگوں نے ان کا قول اختیار کر لیا۔ لیکن میں جس طرح نبی ﷺ کے زمانے میں نکالتا تھا اسی طرح ایک صاع نکالتا رہوں گا۔

اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے ایک صاع غلہ زکاۃ فطر میں فرض قرار دیا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ غلہ کے عموم میں گیہوں بھی داخل ہے۔اس لئے گیہوں میں بھی صدقۂ فطر (صحیح قول کے اعتبار سے) ایک صاع ہی ہے۔یہی ائمہ ثلاثہ شافعی، مالک، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کا قول ہے، نیز ابو سعید خدری، ابن عمر، ابوالعالیہ، ابوالشعثاء، حسن بصری، جابر بن زید کا بھی یہی فتویٰ ہے۔کیوں کہ نبی ﷺ نے ایک صاع غلہ فرض کیا ہے، اور گیہوں بھی غلہ ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جن چیزوں کا ذکر کیا ہے سب کی مقدار کو آپ نے برابر رکھا ہے، جب کہ سب کی قیمتیں مختلف ہیں، جیسے: جو، کھجور، کشمش اور پنیر، جس سے معلوم ہوا کہ زکاۃ فطر میں خوراک کی مقدار مطلوب ہے وہ کسی بھی جنس سے ہو، اس میں قیمت کی کمی بیشی کا اعتبار نہیں ہے۔[نیل الاوطار ۳/۳۱۰، تحفۃ الاحوذی ۳/۲۸۰]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ : ''نبی ﷺ نے ایک صاع غلہ فرض کیا کیوں کہ ایک گھر کے افراد اس سے آسودہ ہو سکتے ہیں، اور عام طور پر اتنا خرچ کرنے سے کسی کو ضرر لاحق نہیں ہوتا، [حجۃ اللہ البالغہ ۲/۵۰۹]

امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول ہے کہ گیہوں کے علاوہ میں ایک صاع اور گیہوں میں نصف صاع ہے۔دلیل معاویہ رضی اللہ عنہ کا گزشتہ قول ہے، نیز معاویہ رضی اللہ عنہ نے اصحابِ کرام

کے مجمع میں کہا تھا تو یہ اجماع ہوا، صحابہ کرام میں اس قول کے قائل : عثمان، علی، ابوہریرۃ، جابر، ابن عباس، ابن زبیر اور اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنھم ہیں۔[المغنی ۶۴۸/۲، نیل ۳۰۹/۳، تحفۃ الاحوذی ۲۸۱/۳-۲۸۲، فقہ الزکاۃ ۹۳۳/۲]

اس قول پر نقد کرتے ہوئے امام نووی فرماتے ہیں: ’’کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے کو اختیار کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ وہ صحابی کی رائے ہے جس میں دوسرے صحابی ابوسعید نے مخالفت کی ہے جن کو نبی ﷺ کی صحبت زیادہ ملی اور انہیں نبی ﷺ کے احوال کی معرفت بھی زیادہ ہے، نیز معاویہ رضی اللہ عنہ نے صراحت کے ساتھ واضح بھی کر دیا ہے کہ ان کی رائے ہے، نبی ﷺ سے سنی ہوئی بات نہیں۔[نیل الاوطار ۳۰۹/۳]

رہی بات اجماع کی تو امام شوکانی فرماتے ہیں کہ : ’’معاویہ کی رائے کی مخالفت ابوسعید خدری اور ابن عمر نے کی ہے، تو اجماع کہاں ہوا؟ [نیل الاوطار ۳۰۹/۳]

اس مسئلہ میں پہلا قول (ہر غلہ سے ایک صاع صدقۂ فطر ہے) راجح ہے۔ترجیح کے وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

۱- قیمتوں کے تفاوت کے باوجود نبی ﷺ نے ایک صاع مقرر کیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک صاع ہی اصل ہے، قیمت نہیں، کیوں کہ اگر قیمت اصل ہوتی تو اس کو دینار و درہم سے مربوط کیا جاتا۔

۲- نص کے مقابلہ میں قیاس ہے جو فاسد الاعتبار ہے۔

۳ ۔آج کل بہت سارے ملکوں میں گیہوں کھجور کے مقابلے میں بہت ہی سستا ہے، تو کیاآج بھی گیہوں سے نصف صاع ہی ہو گا؟جب کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا قیاس واضح کرتا ہے کہ کھجور کی قیمت اصل ہے،

صاحب تحفہ فرماتے ہیں کہ : ”احتیاط ایک صاع نکالنے ہی میں ہے“[تحفۃ۳/۲۸۰]

یوسف قرضاوی فرماتے ہیں کہ ہر حال میں ایک صاع نکالنا ہی احوط ہے۔[فقہ الزکاۃ۲/۹۴۱]۔

اختلاف سے بچنے اور نص کی اتباع کرتے ہوئے بنیادی طور پر ایک صاع کا ہی اعتبار کیا جائے گا، کیوں کہ یہ یقینی ہے اور سبھی خوراک کے لئے موزوں بھی۔

صاع کی مقدار:

احادیث نبویہ جو کہ نبی ﷺ کے فرمودات ہیں اس میں وارد لفظ صاع سے مراد صاع نبوی ہے جو آپ ﷺ کے زمانہ میں رائج تھا، اس کو صاع نبوی، صاعِ مدنی، اور صاعِ حجازی بھی کہتے ہیں، صاع غلہ ناپنے کا ایک پیمانہ ہے وزن کا پیمانہ نہیں، اس لئے غلہ کی خفت اور ثقالت کی وجہ سے کمی وزیادتی ہوتی رہتی ہے۔

صاحب تحفہ فرماتے ہیں کہ صاع دو ہیں، ایک حجازی دوسرا عراقی، حجازی صاع ۵،۱/۳ رطل کا ہوتا ہے، اور عراقی صاع ۸ رطل کا ہوتا ہے، اس کو عراقی اس وجہ سے کہا جاتا تھا کیوں کہ وہ بلاد عراق میں رائج تھا، اسی کو حجّاجی صاع بھی کہا جاتا ہے، کیوں کہ گورنر حجاج نے ہی اس کو وہاں رائج کیا تھا، اور صاع حجازی بلاد حجاز میں رائج تھا، اور نبی کے زمانے میں یہی صاع مستعمل بھی تھا، اسی سے صدقہ فطر نکالا جاتا تھا، ائمہ ثلاثہ احمد، شافعی، مالک، رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں جب کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ عراقی صاع کو معتبر مانتے ہیں ان کے شاگرد امام ابو یوسف بھی اسی کو پہلے معتبر مانتے تھے

مگر جب مدینہ آئے اور اس موضوع پر امام مالک رحمہ اللہ سے مناظرہ کیا تو امام مالک رحمہ اللہ نے کئی پرانے صاع نکلوا کر ان کو دکھایا تب امام ابو یوسف نے اپنے قول سے رجوع کرتے ہوئے امام مالک کا قول اختیار کر لیا۔ مناظرہ کا مفصل واقعہ بیہقی ۴/۱۷۱، دار قطنی ۲/۱۵۱، میں موجود ہے۔

[تحفۃ الاحوذی ۳/۲۸۰-۲۱۳، نیل الاوطار ۳/۳۱۲]

معلوم ہوا کہ صاع غلہ ناپنے کا ایک پیمانہ ہے، وزن ناپنے کا پیمانہ نہیں، مگر آسانی کی خاطر علماء نے اس کو وزن کے ساتھ بھی مقدر کیا ہے، تو رطل کے اعتبار سے ایک صاع ۵،۳۱ رطل اور مد کے اعتبار سے چار مد ہے [الملخص الفقہی ۱/۳۵۱]۔

صاع کا وزن اناج کے ثقیل اور خفیف ہونے کی وجہ سے کم زیادہ ہوتا رہتا ہے، اسی لئے ابن قدامہ نے فرمایا کہ: جو آدمی ثقیل غلہ نکالے تو وہ احتیاطاً تھوڑا سا زیادہ دے تاکہ ایک صاع یقینی ہو جائے۔

کلو گرام میں صاع کا وزن کم از کم ۲۰۴۰ گرام اور زیادہ سے زیادہ ۲۴۴۰ گرام ہے۔ درمیانی ۲۱۷۶ گرام ہے۔ [فقہ الزکاۃ ۲/۹۴۲، مذکرۃ فقہ العبادات/۲۸]

لیٹر کے اعتبار سے ۲،۷۵ لیٹر ہے [مذکرۃ فقہ العبادات/۲۸}

صدقۂ فطر میں کونسی چیز دی جائے:

صدقۂ فطر اس غلہ سے دینا چاہیے جو عام طور پر وہاں کے لوگوں کی خوراک ہو، اگر عام خوراک چاول اور گیہوں ہے تو چاول اور گیہوں ہی دیا جائے، کیوں کہ احادیث میں خوراک کے بعد کھجور، جو، پنیر اور کشمش کا تذکرہ بطور تمثیل ہے تعیین نہیں، جیسا کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی گذشتہ حدیث میں ہے کہ ہم ایک صاع کھانا نبی ﷺ کے زمانے میں عید کے دن نکالتے تھے اور ہمارا کھانا

جو، کشمش، پنیر اور کھجور ہوا کرتا تھا، نیز ابو سعید خدری کے قول **"من طعام"** میں علت کی طرف اشارہ ہے، اس سے مراد وہ غلہ ہے جو کھایا جاتا ہے، اس مفہوم کی تائید عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی گذشتہ روایت سے بھی ہوتی ہے کہ صدقہ فطر کو نبی ﷺ نے روزہ داروں کے روزہ کو لغو اور فحش سے پاک کرنے نیز مسکینوں کی خوراک کے لئے فرض کیا ہے [الشرح الممتع ۶/۱۸۳-۱۸۰، بحوالہ استقبال رمضان، اردو، د: عبداللہ الرکبان (۱۶۴ -۱۷۵)]

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ، حدیث میں وارد پانچوں اصناف ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ مدینہ میں عام طور پر صحابہ کرام کی خوراک یہی تھی، جس گاوں اور شہر والوں کی خوراک اس کے علاوہ ہو تو انہیں کی خوراک میں سے ایک صاع ہے۔[اعلام المؤقعین (۲/۲۱) (۳/۲۳)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اپنے شہر کا غلہ ہی نکالے جیسے چاول وغیرہ۔[الفتاوی ۱۰/۴۱۰ (۲۵،۶۹) الملخص الفقهی ۱/۳۵۳]

معلوم ہوا کہ ہر وہ چیز جو انسانوں کی خوراک ہو صدقۂ فطر میں دی جائے خواہ وہ حدیث میں منصوص علیہ اشیاء میں سے ہو یا نہ ہو۔

صدقۂ فطر میں قیمت نکالنا:

صدقۂ فطر اس غلہ سے ادا کرنا چاہیے جو عام طور پر لوگوں کی خوراک ہو، عہد نبوی میں دراہم ودنانیر پائے جاتے تھے پھر بھی آپ ﷺ نے صحابۂ کرام کو ایک صاع غلہ ہی نکالنے کا حکم دیا تھا، آپ نے صحابۂ کرام کو غلہ اور قیمت کے درمیان کوئی اختیار نہیں دیا، صحابۂ کرام بھی نبی ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے غلہ ہی نکالا کرتے تھے، اس لئے غلہ ہی متعین ہے۔

رہی بات کہ کیا صدقۂ فطر میں قیمت نکالنا جائز ہے یا نہیں ؟ تو اس بابت امام احمد بن حنبل کا قول اصل کی حیثیت رکھتا ہے، انہوں نے فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہ سنت رسول کے خلاف ہونے کی وجہ سے قیمت مقبول نہ ہوگی، پھر ان سے کہا گیا کہ عمر بن عبدالعزیز تو صدقۂ فطر میں قیمت لیتے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ تعجب ہے ! لوگ قول رسول کو چھوڑ دیتے ہیں اور فلاں فلاں کا حوالہ دیتے ہیں۔[المغنی ۲/۶۶۱]

امام ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ : ”جس نے قیمت دی تو وہ کافی نہ ہوگا[المغنی ۲/۶۶۱]۔ نیز اس لئے بھی کہ صدقۂ فطر متعینہ جنس کی شکل میں فرض شدہ عبادت ہے، تو دوسری جنس سے نکالنا کافی نہ ہوگا، [مجالس شہر رمضان/۲۸]

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ صدقۂ فطر میں قیمت نکالنے سے ظاہری شعار کے بجائے پوشیدہ صدقہ بن جاتا ہے [حوالہ سابق]

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ صدقۂ فطر کو مسکینوں کی خوراک بتایا گیا ہے تو خوراک ہی دی جائے، اگر خوراک کے بجائے قیمت دے دے تو ممکن ہے کہ لینے والا خوراک کے بجائے کوئی اور سامان خرید لے۔

ایک اہم وجہ یہ ہے کہ قیمت دی جائے تو کس جنس کی ؟ کھجور کی یا جو کی ؟ کشمش کی یا پنیر کی؟ اگر کسی نے جو کی قیمت دی اور لینے والے نے پنیر خرید لیا یا کھجور خرید لیا تو ایک صاع سے کم پائے گا، اور جب ایک صاع سے کم ہوا تو صدقۂ فطر ادا نہ ہوگا، لہٰذا ان تمام وجوہات کو مد نظر رکھتے ہوئے صدقۂ فطر میں غلہ ہی نکالا جائے۔ کیوں کہ حکم رسول بھی وہی ہے، اور یقینی بھی وہی۔

صدقۂ فطر نکالنے کا وقت :

رمضان کا دن ختم ہوتے (شوال کا چاند نکلتے) ہی صدقۂ فطر واجب ہو جاتا ہے، [المغنی ٢٦٦/٢]

صدقہ فطر نکالنے کا وقت عید کی نماز سے قبل ہے، یعنی عید کی صبح کو نمازِ عید سے پہلے ہی ادا کر دیا جائے، جیسا کہ عبداللہ بن عمر کی حدیث میں ہے: ''وأمر بها أن تودى قبل خروج الناس إلى الصلوة'' [بخاری (۱۵۰۳) مسلم (۹۸۴)]

یعنی نبی ﷺ نے صدقۂ فطر عید کی نماز کی طرف نکلنے سے پہلے ادا کرنے کا حکم دیا، اگر عید کی نماز کے بعد ادا کیا گیا تو صدقۂ فطر ادا نہیں ہوگا، بلکہ وہ عام صدقہ و خیرات کے حکم میں ہو جائے گا جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''من أداها قبل الصلوة فهي زكاة مقبولة ومن أداها بعد الصلوٰة فهي صدقة من الصدقات'' [ابوداؤد (۱۶۰۹)، ابن ماجہ (۱۸۲۷) حسن، الارواء (۸۴۳)]

البتہ اگر عید سے دو ایک روز پہلے نکال دیا جائے تو کوئی حرج نہیں، جیسا کہ بخاری میں ہے کہ صحابۂ کرام صدقۂ فطر عید سے دو ایک روز پہلے دیتے تھے، [بخاری (۱۵۰۹)]

صدقۂ فطر کا مصرف:

اکثر علماء کے نزدیک صدقۂ فطر کا مصرف وہی ہے جو زکوۃ کا ہے، [المغنی ٢٦٧/٢] مگر دلیل کی رو سے اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ صدقۂ فطر کا مصرف صرف فقراء و مساکین ہی ہیں، کیوں کہ نبی ﷺ نے صدقۂ فطر کو ''طعمة للمساكين'' مسکینوں کی خوراک قرار دیا ہے، جس سے واضح طور سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقۂ فطر کا مصرف صرف یہی لوگ ہیں۔

علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ صدقۂ فطر کا مصرف کیا ہے؟ توجواباًانہوں نے فرمایا کہ زکوۃ فطر کا صرف ایک ہی مصرف ہے، وہ فقراء ہیں، نبی ﷺ کی حدیث "**طعمة للمساكين**" کی وجہ سے۔[فتاویٰ فی احکام الزکوۃ/۲۵۹]

یہی قول شیخ الاسلام ابن تیمیہ [مجموع الفتاویٰ ۳۸/۲۵]علامہ ابن القیم،امام شوکانی [السیل الجرار ۲/ ۸۶]علامہ البانی [تمام المنۃ/۳۸۷]نے اختیار کیا ہے۔

زکوۃ فطر کی طبیعت اور اس کے اہم مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہی راجح معلوم ہوتا ہے کہ فقراء ومساکین ہی صدقۂ فطر کے مستحق ہیں اور زکوۃ کے مصارف صدقۂ فطر کے مصارف نہیں ہیں بلکہ صدقۂ فطر کا مصرف صرف مسکین ہیں۔واللہ اعلم۔

"إن ربك أحسن مثواك"

یہ جملہ اپنی جسامت میں کتنا چھوٹا ہے لیکن اس کی دور رسی پر اگر غور کیا جائے تو اس میں موجود مسؤولیت کے خیال سے دل ودماغ پر سکتہ طاری ہو جاتا ہے

دراصل یہ جملہ تاریخ الفقہ کے دکتور نے پہلے ہی محاضرہ میں بطور نصیحت پیش کیا تھا جب یہ جملہ میری پردہ سماعت سے ٹکرایا تو جسم کے سارے رووٰں میں رقت کی کیفیت چھاگئی اور دھڑکن نے دماغ کو زور سے خون کا دھکا مارا جس سے دماغ کچھ دیر کے لیے ورطۂ حیرت میں چلا گیا اور اس کے اسرار رموز پر غور وفکر میں اس قدر غرق ہوگیا کہ کچھ دیر تک دماغی طور پر کلاس سے غائب رہا۔

یقین مانیں یہ جملہ میرے لیے اب بھی مشعل راہ ہے جس کی آواز بازگشت میرے کانوں میں مسلسل رہ رہی ہے اور تجدد احساس کے ساتھ اس کی تازگی کو محسوس کرتا ہوں اور مدینہ میں ملے قیام کی خوش نصیبی اور اس کے تئیں عظیم مسؤولیت کو مد نظر رکھنے کی کوشش کرتا ہوں، ہر بہکتے ہوئے قدم کو اسی احساس کی ڈور سے باندھ کر کھینچنے کی کوشش کرتا ہوں تاہم شیطان مردود کے ہتھکنڈے سے اللہ کی پناہ جو ایک تجربہ کار شکاری ہے ہر شکار کو شکار کرنے کا اس کے پاس حربہ ہے جس نوعیت کا شکار ہوتا ہے اسی نوعیت کا جال بچھاتا ہے

صالحین کے پاس غلو، بدعات اور شبہات کا پیکیز لیکر آتا ہے جبکہ فاسق وفاجر کے پاس شہوات کو مزین کر کے دعوت لذت آشنائی دیتا ہے جس سے اللہ ہی کی پناہ طلب کی جاسکتی ہے

✍️ محمد مقتدی عبدالباری الجامعی

صدقۃالفطر میں قیمت ادا کرنے کا حکم

فضیلۃالشیخ محمد جعفر انوار الحق الہندی
مدیر دوماہی مجلّہ استدراک

شیخ الحدیث و مفتی محمد جعفر الہندی حفظہ اللہ کے پاس ابو طاہر السّلفی (ناظم ضلعی جمعیت اہل حدیث جھارکھنڈ) کی جانب سے سوال موصول ہوا: **صدقۃالفطر میں غلہ کی جگہ روپیئے ادا کرنا شریعت مطہرہ میں جائز ہے یا نہیں؟** جس کے جواب میں یہ مضمون لکھا گیا ہے جو مجلّہ استدراک (جامعہ اسلامیہ دریاباد) کے باب الفتاوی میں شائع ہو چکا ہے، افادہ عامہ کی خاطر شیخ حفظہ اللہ کی اجازت سے اس مضمون کو دوبارہ شائع کیا جارہا ہے۔

زکاۃالفطر میں کھانا اور غلہ کے بجائے قیمت ادا کرنا جائز نہیں ہے اہل علم کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے البتہ دیگر اہل علم جو اس کے جواز کے قائل ہیں ان کا استناد کمزور ہے۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے:

1-صدقۃالفطر ایک عبادت ہے جس کی نوعیت، کیفیت، مقدار، وقت اور کس پر فرض ہے اور کس پر نہیں اس کی پوری تفصیل نص سے ثابت ہے اور جہاں بھی تذکرہ ہے تو خوراک، طعام اور کھانے کا ہی تذکرہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اسی کو ادا کرنا ضروری ہے۔

2-حدیث میں ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: « فرض رسول الله ﷺ صدقة الفطر صاعا من تمر أو صاعا من شعير » بخاری (۱۵۰۳) مسلم (۹۸۴)

(رسول اللہ ﷺ نے صدقۃالفطر فرض کیا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو) جو چیز نبی ﷺ نے

فرض کی ہے وہ ایک صاع ہے، اب اگر کوئی صاع کے بجائے قیمت نکالے تو ظاہر ہے کہ یہ صاع نکالنے والے حکم کی اتباع نہ ہوگی۔علامہ ابن قدامہ نے کہا: " فاذا عدل عن ذلك فقد ترك المفروض" [المغنی ۴/۲۹۲] (جب اس نے اس سے (یعنی صاع سے) اعراض کیا تو اس نے فرض کو ترک کر دیا)۔

علامہ حسین عوایشہ نے کہا: " لا يجوز إخراج القيمة في زكاة الفطر لورود النص في الطعام "[الموسوعۃ الفقہیۃ المیسرۃ ۳/۱۶۵] (زکاۃ فطر میں قیمت نکالنا جائز نہیں ہے کیوں کہ نص طعام کے بارے میں وارد ہے)۔

۳- (نبی ﷺ نے فرمایا: "في أربعين شاة شاة [ابوداؤد" (۱۵۶۸)] ہر چالیس بکری میں ایک بکری (زکاۃ) ہے) اور فرمایا: "في مأتين درهم خمسة دراهم" (احمد ۱۱۳۰۷،ابوداؤد ۱۵۷۲)

(یعنی ۲۰۰ درہم میں پانچ درہم زکوۃ ہے)

یہ احادیث اللہ تعالی کے فرمان "وآتوا الزكاة" کے اجمال کا بیان ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس بیان کو اپنی طرف سے تبدیل کرنا درست نہ ہوگا ابن قدامہ نے کہا "فتكون الشاة المذكورة هي الزكاة المأمور بها والأمر يقتضي الوجوب" (المغنی ۴/۲۹۶)

(حدیث میں مذکور بکری ہی زکوۃ کی ادائیگی ہوگی امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے)

اسی طرح صدقۃ الفطر میں وارد "صاع" کو بھی قیمت سے تبدیل کرنا بھی درست نہ ہوگا۔

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کھانے کی شکل میں ہی زکوۃ الفطر کی ادائیگی ثابت ہے جس کا التزام اور جس کی پابندی حکم نبوی کے تابعداری ہوگی اور جس کو تبدیل کرنے کی صورت میں حکم نبوی

کی فرمان برداری نہ ہو گی ابن قدامہ نے کہا: "ولأن النبي صلى الله عليه وسلم فرض الصدقه على هذا الوجه وأمر بها أن تؤدى" (المغنی: ۲۹۶/۴) (اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح صدقہ فرض کیا اور اسے ادا کرنے کا حکم دیا ہے)

ابن حزم نے کہا: لأن كل ذلك غير ما فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم" (المحلی: ۱۳۷/۶) (کیونکہ یہ سب اس کے علاوہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض کیا ہے)

(۵) قیمت ادا کرنے کی صورت میں نفس کی پابندی باقی نہیں رہتی اس لیے حکم پورا نہ ہو گا ابن قدامہ نے کہا: "ولأن مخرج القيمة قد عدل عن المنصوص فلم يجزئه كما لو أخرج الرديء مكان الجيد" (المغنی: ۲۹۷/۴)

(اور اس لیے بھی کی قیمت نکالنے والے نے منصوص چیز سے اعراض کر لیا ہے لہٰذا کافی نہ ہو گا جیسے کہ اگر کوئی آدمی اچھے مال کی جگہ خراب مال زکوۃ میں نکالے تو جائز نہ ہو گا)

(۶) خوراک اور غلہ نکالنے میں حکم کی فرمانبرداری یقین ہے جبکہ قیمت نکالنے میں کم از کم یہ بات ہے کہ نکالنے والے کو معلوم نہیں کی حکم پورا ہوا یا نہیں کیونکہ اسے خوراک نکالنے کا حکم تھا جسے اس نے قیمت سے بدل دیا ہے اور تبدیلی اللہ کو مطلوب ہے یا نہیں اس کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ یہ معلوم نہیں ایک یقینی شے کو مظنون سے تبدیل کرنا دانشمندی نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ خوراک نکالنے کا اہتمام کیا جائے کیونکہ ایسی صورت میں حکم کے پورے ہونے کا یقین ہے جبکہ اس کی قیمت نکالنے کی صورت میں یہ یقین قائم نہیں رہتا لہٰذا یقین کو ترک کر کے ظن پر عمل کرنا کس طرح تقاضائے عقل و دانش ہو سکتا ہے؟!!!

(۷) قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ عمل جس کا تقاضہ زمانے نبوت میں موجود تھا اور کوئی مانع نہ تھا اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کام نہ کیا اور نہ اجازت دی تو اس کو ترک کرنا سنت ہے اور اس کو کرنا بدعت ہے اس کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں روپیہ پیسہ یعنی دینار و درہم موجود اور متداول تھا اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سے اعراض کرنا اس کی اجازت نہ دینا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ دین نہیں ہے کیونکہ اگر دین ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اسے مشروع کرتے اور جب ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کی دین نہیں ہے لہٰذا قیمت نکالنا دین نہیں ہے اس لیے صحابہ سے بھی قیمت نکالنا قولا و فعلا ثابت نہیں ہے ابو اسحاق سبیعی کے قول کو صحابہ پر محمول کرنا بڑی دھاندلی کی بات ہے اس کی تفصیل میرے شاگرد ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی تحریر میں موجود ہے.

(۸) ایک اہم بات یہ ہے کہ وہ کس چیز کی قیمت نکالے گا کیونکہ اشیائے خردنی کی قیمتوں میں بڑا تفاوت پایا جاتا ہے تو قیمت کس کی معتبر ہوگی مہنگے طعام کی یا سستے کی؟ !

فرض کیجئے آپ نے چاول یا گیہوں کی قیمت نکالی فقیر نے اس سے کھجور خرید لی جس سے اس کو ایک کلو کھجور ملی تو آپ کا صدقہ فطر ایک صاع ادا ہو جائے گا؟ !!!

(۹) حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **طعمة للمساكين** " یعنی فطرہ کے فرضیت کا مقصد مسکینوں کو خوراک فراہم کرنا ہے اب اگر خوراک کے بجائے قیمت ادا کی جائے تو مقصد فطرہ کیسے پورا ہوگا؟ اور اگر قیمت پانے کے بعد مسکین نے کھانے کے بجائے کچھ اور خرید لیا تو کیا ہوگا؟ زکوۃ الفطر کی ادائیگی کا جو مقصد ہے وہ تو فوت ہو جائے گا !

ہمارے زمانے میں کچھ لوگ مسکین کی دیگر ضروریات کا حوالہ دے کر قیمت دینے کی وکالت کرتے ہیں مگر یہ الٹی منطق ہے کیونکہ اللہ تعالی نے صدقۃالفطر سے صرف خوراک کا انتظام فرمایا ہے تاکہ عید کی خوشی میں مسکین بھی شریک ہو سکیں اور عید کے دن بھی کمائی کرنے پر مجبور نہ ہو کیا اس ایک صاع سے دنیا کے محتاجوں کی تمام ضرورتیں پوری کرنا چاہتے ہیں؟ زکوۃ وصدقات اور ہبہ آخر کس لیے مشروع کیے گئے ہیں؟ اگر مسکین کو جوڑا، جوتا، شکر، سوئی، اور دیگر اشیاء کی ضرورت ہوتی تو اپنی جیب سے کیوں نہیں ادا کرتے؟ اپنے خالص مال سے اس کی دیگر ضروریات کی تکمیل کا انتظام کیوں نہیں کرتے؟ اگر آپ کو مسکین کی ضروریات کا خیال ہے تو ضرور اس کا انتظام کیجئے اور اسلامی اخوت کو فروغ دیجئے مگر فطرے کے مقصد کو تبدیل نہ کیجئے کیونکہ یہ ایک خاص حکم ہے جو ایک خاص پس منظر میں اللہ تعالی نے نازل کیا ہے

(۱۰) مجلّہ استدراک دریاآباد مئی-اگست ۲۰۱۴ صفحہ ۵۴ پر ہے کی صدقہ فطر میں قیمت نکالنے سے ظاہری شعار کے بجائے پوشیدہ صدقہ بن جاتا ہے (مجالس شہر رمضان ص:28)

مطلب یہ ہے کہ عید کی مناسبت سے صدقہ فطر ادا کرنا اسلام کا ایک شعار ہے جس میں خوراک ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اب اگر جنس کے بجائے نقد دیا جائے تو یہ ایک پوشیدہ عمل بن جائے گا آپ کے دینے اور فقیر کے لینے کا علم دوسروں کو نہ ہوگا جبکہ اسلام چاہتا ہے کہ اسلام کا یہ حکم ظاہر اور نمایاں رہے کیونکہ یہ ایمانی اخوت کی نشانی اور اسلام کا نمایاں شعار ہے۔

معلوم ہوا کہ قیمت نکالنے کا مسئلہ دلیل سے خالی اشکال سے پر اور نص کے مخالفت پر مبنی ہے لہٰذا زکوۃالفطر میں قیمت ادا کرنا درست نہیں ہے اور اس سے فطرہ ادا نہ ہوگا۔

امام احمد سے جب کسی نے پوچھا کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ قیمت لیتے تھے تو فرمایا لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو ترک کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں فلاں نے کہا دوسری روایت میں ہے احمد رحمہ اللہ نے کہا لوگ سنتوں کو رد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں نے کہا جب ان سے کسی نے پوچھا کہ میں صدقۃ الفطر میں قیمت ادا کروں تو فرمایا مجھے ڈر ہے کہ یہ کافی نہ ہو کیونکہ یہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے اسی لیے ابن قدامہ نے کہا: امام احمد رحمہ اللہ کا ظاہر مذہب یہی ہے کہ کسی بھی زکوۃ میں قیمت نکالنا جائز نہیں ہے (ان اقوال کی تفصیل کے لیے دیکھیں: (المغنی: ۴/۲۵۹)

ابن حزم نے کہا: "ولا تجزئ قيمة اصلا.... والقيمة في حقوق الناس لا تجوز إلا بتراض منهما وليس للزكاة مالك بعينه فيجوز رضاه أو ابراءه" (المحلی: ۶/۱۳۷)

(قیمت بالکل کافی نہ ہوگی لوگوں کے حقوق میں قیمت صرف اس وقت جائز ہے جب وہ دونوں باہم راضی ہوں اور زکوۃ کا کوئی خاص مالک نہیں ہے کہ اس کی رضا یا اس کا بری الذمہ قرار دینا جائز ہو)

یعنی اللہ نے جنس نکالنے کا حکم دیا ہم اس کی قیمت نکالنے کے لیے کسی کی رضامندی طلب کریں گے جب کہ اس کا کوئی متعین مالک ہی نہیں ہے، اس سے قبل ایک دوسری جگہ فرمایا: ہم نے جو ذکر کیا ہے اس کے علاوہ کچھ بھی کافی نہیں ہے۔۔۔۔ قیمت دینا بھی نہیں" (المحلی ۶/۱۱۸)

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: "لا تجزئ القيمة في الفطر عندنا" (صدقہ فطر میں قیمت دینا ہمارے نزدیک کافی نہیں ہے) اور اس کے بعد دو قول اور نقل کیے کہ ابو حنیفہ، حسن بصری، عمر بن عبدالعزیز اور ثوری کا مذہب ہے کہ قیمت نکالنا جائز ہے اسحاق اور ابو ثور کا مذہب ہے کی قیمت صرف ضرورت و مجبوری کے وقت جائز ہے (المجموع ۶/۱۷۱، دار عالم الکتب)

یہ جو تیسرا قول ہے کہ مجبوری کے وقت قیمت نکالنا جائز ہے اسی طرح کی بات امام شوکانی رحمہ اللہ نے بھی کہی ہے جب مصنف نے کہا: "إنما تجزء القيمة للعذر" (قیمت صرف عذر کی وجہ سے کافی ہوگی) تو اس پر انہوں نے کہا یہ صحیح ہے کیونکہ فطرے کی مقدار متعین کرنے کے سلسلے میں وارد احادیث کا ظاہر یہی ہے کہ وہ کھانا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو متعین کیا ہے اس کا نکالنا ضروری ہے اور جب "عین" یعنی کھانا نکالنے سے کوئی مانع آ جائے تو قیمت کفایت کرے گی کیونکہ جس پر فطرہ واجب ہے اس کے امکان میں صرف یہی ہے اور جو چیز اس کے امکان اور طاقت سے باہر ہو وہ اس پر واجب نہیں ہو سکتی (السیل الجرار ۱/۸۴۳, دار ابن کثیر دمشق)

اہل علم کے اس اختلاف کو دیکھنے کے بعد اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ قیمت نکالنا شریعت میں ثابت نہیں ہے اور نص میں جو ثابت ہے وہ کھانا اور طعام اور اس کی مختلف اجناس ہیں لہٰذا نقد کا نکالنا غلط ہے۔

واضح رہے کہ اہل علم کے اس اختلاف کی وجہ اگر دیکھی جائے تو ہو سکتا ہے کہ یہ قیاس ہو کہ صدقۃ الفطر صدقہ مال کے مشابہ ہے یا صدقہ بدن کے مشابہ ہے جیسا کہ کفارات وغیرہ جو لوگ اسے صدقہ مال کے قائم مقام اور اس کے مشابہ قرار دیتے ہیں وہ صدقہ فطر کو صدقہ مال پر قیاس کر کے قیمت کے جواز کا فتوی دیتے ہیں قیمت کے جواز پر دلالت کرنے والی ان کے پاس کوئی نص نہیں ہے

اور جو لوگ اسے صدقہ بدن یعنی کفارہ کے مشابہ قرار دیتے ہیں وہ قیمت ادا کرنے سے منع کرتے ہیں کیونکہ کفارے میں قیمت ادا کرنا بالاتفاق ممنوع ہے اور چونکہ صدقہ فطر بھی کفارہ کے مشابہ ہے اس لیے اس میں بھی قیمت نکالنا کافی نہ ہوگا اس قول کے درست ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ حدیث میں صدقہ فطر کی جو علت بیان کی گئی ہے وہ اس کی وضاحت کرتی ہے کہ صدقہ فطر کفارہ کی

طرح بدنی صدقہ ہے حدیث میں ہے:" فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم صدقة الفطر طهرة للصائم من اللغو والرفث وطعمة للمساكين" {ابن ماجۃ،۱۸۲۷) ابوداؤد 1609 }

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے دار کو لغو اور بے ہودہ چیزوں سے پاک کرنے اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کے لیے صدقے فطر کو فرض کیا)۔

لہٰذا قیاس کی بنیاد پر نص سے اعتراض کرنا درست نہیں ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسی بات کو راجح قرار دیا ہے اور کہا ہے: "إنها تجري مجرى كفارة اليمين والظهار والقتل والجماع في رمضان ومجرى كفارة الحج فإن سببها هو البدن ليس هو المال" (صدقہ فطر، قسم ظہار، قتل، رمضان میں ہمبستری اور حج کے کفارے کے قائم مقام ہوگا کیونکہ اس کا سبب بدن ہے مال نہیں) ۔

اور پھر حدیث سے استدلال کیا اور آگے کہا: "وهذا القول أقوى في الدليل" مجموع الفتاوی ۲۵/۷۳)

علامہ حسین عوایشۃ نے بھی الموسوعۃ الفقہیۃ المیسرۃ جلد تین صفحہ 165 میں اسی کو راجح قرار دیا ہے اور سبب اختلاف کی وضاحت اس طرح کی ہے: "قلت ولعل أصل المبحث فيما إذا كانت صدقة الفطر تجري مجرى صدقة الأموال أو صدقة الأبدان كالكفارات" (میں نے کہا اس مسئلے کی اصل غالباً یہ ہے کہ صدقہ فطر صدقہ مال کے قائم مقام ہے یا صدقہ بدن کے جیسا کہ کفارہ) ۔

اسی طرح کچھ لوگ سبیعی کے قول کی بنیاد پر قیمت جائز قرار دیتے ہیں مگر یہ بات درست نہیں ہے ملاحظہ کریں: ابواسحاق سبیعی رحمہ اللہ نے کہا: "ادركتهم وهم يعطون في صدقة رمضان الدراهم بقيمة الطعام" (مصنف ابن شیبہ 398/2)۔

(میں نے لوگوں کو پایا کہ وہ رمضان کے صدقے میں کھانے کی قیمت میں درہم ادا کرتے تھے)

اس سے استدلال کرتے ہوئے قیمت ادا کرنے کے جواز کا فتوی بڑی جرات مندی کی بات ہے :

(۱) اس کی صحت مخدوش ہے کیونکہ تدلیس واختلاط کی علت کی موجودگی میں اسے صحیح نہیں قرار دیا جاسکتا سبیعی کے قول میں جو تدلیس ہے "أدركت الناس" اس پر متنبہ رہنا چاہیے انہوں نے کن کو پایا؟

(۲) اگر اسے صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے صحابہ کو مراد لینا بڑی دھاندلی کی بات ہے کیونکہ صحابہ میں سے کسی سے بھی صدقے فطر میں قیمت نکالنا ثابت نہیں ہے بلکہ حسن بصری اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے قیمت نکالنا اگر ثابت ہو جائے تو انہی کو مراد لینا اقرب ہوگا۔

(۳) اور اگر اسے بھی درست مان لیا جائے کہ یہاں صحابہ مراد ہیں تو پھر یہاں تعارض ہوگا کیونکہ بعض صحابہ وتابعین بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام صدقہ فطر میں جنس اور کھانا نکالتے تھے اور تابعی سبیعی رحمہ اللہ اکیلے کہتے ہیں کہ وہ درہم یعنی قیمت نکالتے تھے اب ایسی صورت میں کس کی بات کو ترجیح دیا جائے گا صحابہ کے قول کو یا تابعی کے قول کو؟!!!

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا: "كنا نخرج زكاة الفطر صاعا من طعام أو صاعا من شعير أو صاعا من أقط أو صاعا من زبيب" (بخاری ۱۵۰۶) (ہم صدقہ فطر میں ایک صاع کھانا ایک صاع جو یا ایک صاع پنیر یا ایک صاع کشمش نکالتے تھے)

دوسرا لفظ ہے: "كنا نخرج في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الفطر صاعا من طعام" (بخاری ۱۵۱۰)

(ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عید الفطر کے دن ایک صاع کھانا نکالتے تھے)

اسی میں ہے:"كنا نطعم الصدقة صاعا من شعير" (بخاری ١٥٠٥) (ہم ایک صاع جو صدقہ فطر نکالا کرتے تھے) لا أخرج فيها إلا الذي كنت أخرج في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم" مسلم ٩٨٥) (میں تو صدقہ فطر وہی نکالوں گا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نکالتا تھا)

ایک روایت میں ہے: "كنا نخرج زكاة الفطر من ثلاثة أصناف الأقط والتمر والشعير" مسلم ٩٨٥) (ہم تین اصناف پنیر کھجور اور جَو صدقہ فطر میں نکالتے تھے)

کہا: "فأما أنا فلا أزال أخرجه كما كنت أخرجه أبدا ما عشت" (مسلم ٩٨٥، ابوداؤد ١٦١٦) (رہی بات میری تو میں جب تک زندہ رہوں گا اسی طرح برابر نکالتا رہوں گا جس طرح کی میں نکالا کرتا تھا)

ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا: "أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نؤدي زكاة رمضان صاع من طعام" (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم زکوۃ رمضان میں ایک صاع کھانا ادا کریں) ایک دوسرا لفظ ہے: " صدقة رمضان صاع من طعام ببر قبل منه ومن جاء بشعير قبل منه ومن جاء بسلت قبل منه ومن جاء بزبيب قبل منه وأحسبه قال من جاء بسويق قبل منه" (صحیح ابن خزیمۃ ٨٠/٤ بسند صحیح) (صدقہ رمضان ایک صاع کھانا ہے جو گیہوں لاتا ہے اسے قبول کر لیا جاتا ہے جو جو لاتا ہے اسے بھی قبول کر لیا جاتا ہے جو بلا چھلکے کے جو لاتا ہے اسے بھی قبول کر لیا جاتا ہے جو کشمش لاتا ہے اسے بھی قبول کر لیا جاتا ہے اور میرا گمان یہ ہے کہ یہ بھی کہا جو ستو لاتا ہے اسے بھی قبول کر لیا جاتا ہے)

نافع کہتے ہیں: "فكان ابن عمر يعطي الثمرة فأعوز أهل المدينة من التمر فاعطي شعيرا فكان ابن عمر يعطي عن الصغير والكبير حتى إن كان ليعطي عن بني" (بخاری ۱۵۱۱) (ابن عمر کھجور دیتے تھے ایک مرتبہ اہل مدینہ کو کھجور کی تنگی ہو گئی توانھوں نے جو دیا ابن عمر چھوٹے اور بڑے کی طرف سے ادا کرتے تھے حتی کہ میرے اولاد کی طرف سے بھی ادا کرتے تھے)

ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا: "كان الناس يخرجون صدقة الفطر على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم صاعا من شعير" (ابوداؤد ۱۶۱۴) (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ صدقہ فطر ایک صاع جو نکالتے تھے)

ان لوگوں نے صحابہ کا عمل نقل کیا ہے کہ وہ غلہ نکالتے تھے لہذا یہی صحیح ہے اور اسی کو ترجیح بھی دی جائے گی؛ کیونکہ "صاحب البيت أدرى بما فيه" اس لیے سبیعی رحمہ اللہ کے قول میں اگر صحابہ کو مراد بھی لیا جائے تو وہ مرجوح ہوگا اور راجح صحابہ کی روایتیں ہوں گی جن میں سبیعی کے قول کے برعکس جنس ہی نکالنے کی بات ذکر کی گئی ہے لہذا یہ دلیل نہیں بن سکتا اور یہ کہنا غلط ہے کہ صحابہ صدقہ فطر میں قیمت نکالتے تھے کیونکہ تمام نصوص اس بات پر متفق ہیں کہ وہ خوراک اور کھانا ہی نکالتے تھے۔

(اس سلسلے میں ایک تحقیقی مضمون مجلّہ استدراک مئی تا اگست 2018، 78-81 میں ملاحظہ کریں)

کیا رؤیت ہلال میں اختلاف مطلع معتبر ہے؟

مختار عالم الجامعی
جامعۃ الملک خالد ابہا سعودی عرب

اسلام میں احکام شرعیہ اور عبادتوں کے اوقات کو سورج اور چاند سے جوڑ دیا گیا ہے جو اسلام کی آفاقیت کی دلیل ہے تاکہ پوری دنیا کے مسلمان ان شرعی احکام کو ان کے اوقات پر انجام دیں اور اس میں ان کے لیے کوئی پریشانی نہ ہو

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ"(سورۃ یونس : ۵) وہی ہے جس نے سورج کو روشن بنایا اور چاند کو منور فرمایا اور چاند کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور حساب معلوم کر سکو، یہ سب کچھ اللہ نے تدبیر سے پیدا کیا ہے، وہ اپنی آیتیں سمجھداروں کے لیے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ ۖ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا(سورۃ بنی اسرائیل : ۱۲) ہم نے رات اور دن کو اپنی قدرت کی نشانیاں بنائی ہیں رات کی نشانی کو تو ہم نے بے نور کر دیا اور دن کی نشانی کو روشن بنایا تاکہ تم لوگ اپنے رب کا فضل

تلاش کر سکو اور اس لیے بھی کہ برسوں کا شمار اور حساب معلوم کر سکو اور ہر چیز کو ہم نے خوب تفصیل سے بیان فرما دیا ہے

تیسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (سورۃالانبیاء: ۳۳) اور وہی اللہ ہے جس نے رات اور دن سورج اور چاند کو پیدا کیا ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدار میں تیرتے پھرتے ہیں۔

چوتھی جگہ اللہ رب العالمین فرماتا ہے: يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ ۖ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ (سورۃالبقرۃ:۱۸) لوگ آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجیے کہ یہ لوگوں (کی عبادت) کے وقتوں اور حج کے موسم کے لیے ہے۔

مذکورہ تمام آیتوں سے معلوم ہوا کہ سورج اور چاند اللہ رب العالمین کی نعمت ہیں جن کے ذریعے سالوں مہینوں اور دنوں کی تعیین کی معرفت ہوتی ہے اور وقت کا علم ہوتا ہے نیز اسلامی احکام مثلاً حج وغیرہ کا ان سے گہرا ربط ہے اور جو عبادتیں موقت ہیں ان کا وقت ان ہی کے ذریعے معلوم ہوتا ہے اسی لیے اللہ نے سورج اور چاند کو گردش کرنے والے بنائے ہیں۔

بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے چاند بنایا تاکہ لوگ حج وعمرہ، صوم وافطار اور قرض لین دین وغیرہ کے اوقات جان سکے (معالم التنزیل للبغوی ۱/۷۰)

امام ابن کثیر رحمۃاللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اپنی مخلوقات پر اپنی عظیم نشانیوں کے ذریعہ احسان فرمایا ہے ان میں سے ایک عظیم نعمت رات اور دن کو بدلنا ہے تاکہ رات میں سکون حاصل کرے اور دن میں معاش، کاریگری، اعمال اور اسفار کے لیے پھیل جائے اور اس

لیے بھی کہ وہ دنوں، ہفتوں، مہینوں اور سالوں کی گنتی معلوم کر سکے اور قرض، عبادات اور معاملات واجارات وغیرہ کے مقررہ وقتوں کا علم حاصل کر سکے (تفسیر ابن کثیر ۴٦/۵)

اسی طرح سنت کے ذخیرے میں بہت ساری احادیث ہیں جن میں اسلامی عبادتوں کے وقت کا تعلق سورج اور چاند سے جوڑ دیا گیا ہے مثلا نماز کے اوقات سورج سے مربوط ہیں جیسا کہ جابر بن عبداللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے اوقات کو بیان کرتے ہیں کہ كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ ، وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ ، وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ ، وَالْعِشَاءَ إِذَا كَثُرَ النَّاسُ عَجَّلَ وَإِذَا قَلُّوا أَخَّرَ ، وَالصُّبْحَ بِغَلَسٍ" (صحیح بخاری: ۵٦۵)

آپ نماز ظہر دوپہر میں پڑھتے تھے اور جب نماز عصر پڑھتے تو سورج صاف روشن ہوتا مغرب کی نماز پڑھتے جب سورج غروب ہو جاتا، اور عشاء میں اگر لوگ جلدی جمع ہو جاتے تو جلدی پڑھ لیتے اور اگر آنے والوں کی تعداد کم ہوتی تو دیر کرتے۔ اور صبح کی نماز منہ اندھیرے میں پڑھا کرتے تھے۔

اسی طرح صوم وافطار کو چاند سے جوڑا گیا جیسا کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: {اِذَا رَأَيْتُمُ الْهِلَالَ فَصُومُوا وَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَأَفْطِرُوا، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَصُومُوا ثَلَاثِينَ يَوْمًا}

(صحیح بخاری: ۱۰۸۱)

جب تم چاند دیکھ لو تو روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو اگر آسمان ابر آلود ہو تو تیس دن مکمل کر لو

ان روایتوں سے صوم وصلاہ کا تعلق سوج اور چاند سے صاف ظاہر ہے کہ مومن ان احکام کی پابندی وقت پر کرے اور اس کا ادراک نظام شمسی اور قمری سے ہو یعنی جو مسلمان جہاں جس ملک میں بھی ہو وہ ان عبادتوں کی بجاآوری کے وقت نبی کے فرمان کے مطابق سورج اور چاند کے ذریعے وقت کا پتہ لگائے۔

صیام کا تعلق چاند سے یہ ہے کہ ماہ رمضان کا نیا چاند نظر آ جائے تو روزہ فرض ہو جاتا ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ پوری دنیا میں ایک ہی دن چاند نظر نہیں آتا گویا چاند کا مطلع الگ الگ ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جان لیجئے کہ اختلاف مطلع کے وجود میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اس معنی میں کہ دو شہر یا ممالک جن کے درمیان کافی دوری ہو کبھی ایک شہر میں چاند نظر آتا ہے دوسرے میں نہیں آتا یہی حالت سورج کی بھی (مرعاۃ المفاتیح ٦/٤٢٧)۔

اس لیے جہاں جس دن شرعی طور پر رؤیت ثابت ہو جائے وہاں اسی دن سے روزہ رکھا جائے دوسرے ممالک جن کا مطلع الگ ہو ان کی رؤیت کا اعتبار نہ ہو گا اس کی دلیل صحیح مسلم (١٠٨٧) سنن ابوداؤد (٢٣٣٢) اور سنن ترمذی (٦٩٣) کی روایت ہے جس کا ترجمہ یہ ہے راوی حدیث کریب سے مروی ہے کہ ام الفضل بنت حارث نے کریب کو شام کے اندر معاویہ کی طرف بھیجا کریب فرماتے ہیں شام آیا اور اپنی ضرورت پوری کی، رمضان کا نیا چاند طلوع ہوا، میں نے جمعہ کی رات کو چاند دیکھا پھر اسی مہینہ کے آخر میں مدینہ آیا تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پوچھا کہ تم لوگوں نے نیا چاند کب دیکھا تھا؟ میں نے کہا: جمعہ کی رات، ابن عباس نے کہا تم نے دیکھا تھا؟ میں نے کہا جی ہاں میں نے دیکھا اور لوگوں نے بھی دیکھا اور روزہ بھی رکھے معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی روزہ رکھا، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا لیکن ہم لوگوں نے سنیچر کی رات کو دیکھا ہم روزہ رکھتے رہیں گے یہاں تک کہ تیس مکمل کر لیں میں نے کہا اے ابن عباس! کیا آپ شام کے اندر معاویہ کی رؤیت اور ان کے صیام کو کافی نہیں مانتے ابن عباس نے کہا: نہیں ایسے ہی ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے ۔

یہ حدیث بین دلیل ہے کہ مدینہ اور شام کی طرح جن ممالک کا مطلع الگ الگ ہے وہاں کسی ملک کی رؤیت دوسرے ملک کے لیے کافی نہیں ہو گی کیوں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما جو مدینہ میں تھے انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی رؤیت جو شام میں تھے کا اعتبار نہیں کیا اور فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔

اس حدیث پر محدثین کی تبویبات ملاحظہ فرمائیں تا کہ ان کا فہم معلوم ہو جائے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے "باب بيان أن لكل بلد رؤيتهم" امام ابوداود رحمہ اللہ نے "باب اذا رئی الهلال في بلد قبل الآخرين بليلة " امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے "اختلاف أهل الافاق في الرؤية " اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے "باب ما جاء لكل أهل بلد رؤيتهم " قائم کیے ہیں

ان محدثین کے ابواب سے ان کا فہم ظاہر ہے کہ وہ اختلاف مطلع کو معتبر مانتے ہیں یعنی ہر ملک کے لیے الگ الگ رویت ہے۔

امام ترمذی حدیث نمبر (٦٩٣) کے تحت فرماتے ہیں کہ اس حدیث پر اہل علم کا عمل ہے کہ ہر ایک شہر کے لیے الگ الگ رؤیت ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں: ہمارے اصحاب کے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ ایک جگہ کی رؤیت تمام لوگوں کے لیے عام نہیں ہو گی بلکہ ان لوگوں کے لیے خاص ہو گی جو قصر کی دوری پر نہ ہو (شرح النووی علی مسلم: ١٩٧/٧)۔

امام زیلعی حنفی فرماتے ہیں کہ اکثر مشائخ اسی بات پر ہیں کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہو گا مگر اقرب الی الصواب یہی ہے کہ اختلاف مطالع معتبر ہے (تبیین الحقائق ٣٢١/١)۔

عبدالرحمٰن مبارکپوری فرماتے ہیں حدیث کریب دلیل ہے کہ ہر شہر والوں کے لیے الگ الگ رؤیت ہے کسی شہر کی رؤیت دوسرے شہر کے لیے کافی نہیں (تحفۃالاحوذی 307/3)۔

علامہ عبیداللہ مبارکپوری فرماتے ہیں کہ اختلاف مطالع کا اعتبار کرنا ضروری ہے ورنہ اگر پوری دنیا میں ایک ہی جگہ کی رؤیت کو کافی مان لیا جائے تو کہیں ستائیس رمضان کہیں اٹھائیس، کہیں اکتیس اور کہیں بتیس کو عید ہو جائے گی اس لیے بعض ملکوں میں کبھی ہمارے یہاں سے دو دن پہلے چاند نظر آجاتا ہے (مرعاۃالمفاتیح ۴۲۸/۶)

مذکورہ نصوص اور اقوال سلف کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو گئی کہ رویت ہلال میں اختلاف مطلع کا اعتبار ہو گا مختلف مطلع والے ممالک کا ایک دوسرے کی رؤیت پر اکتفاء کرنا مناسب نہ ہو گا بلکہ اپنے ملک کی رؤیت سے صیام کی ابتدا کرنا اور اپنے ہی ملک کی رؤیت سے عید منانا مناسب ہو گا

اب سوال یہ ہے کہ مطلع کا اختلاف کتنی مسافت پر ہوتا ہے تو اس سلسلے میں فقہاء نے مختلف باتیں کی ہیں لیکن علم جدید کی روشنی میں علامہ شیخ الحدیث عبیداللہ مبارکپوری پوری رحمہ اللہ مطلع کی مسافت پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں یہ بات ثابت ہو گئی کہ چاند جب کسی مغربی شہر یا ملک میں نظر آئے تو مناسب ہے کہ اس کا اعتبار ان مشرقی ممالک میں کیا جائے جو اس سے 560 میل کی مسافت کے اندر ہوں اور اس سے جو ممالک مغرب میں ہیں تمام ملکوں میں اسی رؤیت کا اعتبار کیا جائے خواہ وہ کتنی بھی دوری پر ہوں (مرعاۃالمفاتیح ۴۲۹/۶)۔

معلوم ہوا کہ پانچ سو ساٹھ میل مطلع کے لیے حد فاصل ہے، کسی ملک کی رؤیت ہلال اس سے مشرق کی طرف پانچ سو ساٹھ میل کی دوری تک کے لوگوں کے لیے کافی ہو گی اور اس سے مغرب کی

جانب جتنے ممالک ہوں گے سب کے لیے کافی ہوگی اس لیے کہ مشرق میں طلوع ہلال کا لازمی معنی ہے کہ مغرب میں بھی طلوع ہوا ہے۔

اس کے برعکس بہت سارے علماء ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ اختلاف مطلع کا اعتبار نہیں ہوگا یعنی پوری دنیا میں کہیں اگر رؤیت ہلال شرعی طور پر ثابت ہو جائے تو ضروری ہے کہ تمام مسلمان اسی رؤیت پر اعتماد کرے اسی کے قائل شیخ الاسلام ابن تیمیہ (مجموع الفتاوی ۱۰۵/۲۵) علامہ شوکانی (نیل الاوطار ۲۳۱/۴) اور علامہ نواب صدیق حسن خان (الروضۃ الندیۃ ۲۲۵/۱) وغیرہم ہیں

ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " الصَّوْمُ يَوْمَ تَصُومُونَ، وَالْفِطْرُ يَوْمَ تُفْطِرُونَ، وَالْأَضْحَى يَوْمَ تُضَحُّونَ ". وَفَسَّرَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ هَذَا الْحَدِيثَ، فَقَالَ : إِنَّمَا مَعْنَى هَذَا أَنَّ الصَّوْمَ وَالْفِطْرَ مَعَ الْجَمَاعَةِ وَعُظْمِ النَّاسِ. (سنن ترمذی: ۶۹۷) یعنی روزہ اس دن ہے جس دن تم روزے رکھو افطار اس دن ہے جس دن تم افطار کرو اور قربانی اس دن ہے جس دن تم لوگ قربانی کرو۔

اس حدیث سے وحدت رؤیت ثابت ہوتی ہے صوم اسی دن سے رکھنا ضروری ہے جب دنیا کے تمام مسلمان رکھے بغیر اختلاف مطلع کا اعتبار کرتے ہوئے مگر شارحین حدیث نے جو اس حدیث کا معنی بیان کیا ہے اس سے یہ معنی میل نہیں کھاتا خود امام ترمذی رحمہ اللہ بعض اہل علم سے اس حدیث کا معنی نقل کرتے ہیں کہ صوم وافطار جماعت اور بہت سارے لوگوں کے ساتھ ہو۔

سندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ حدیث میں مذکور امور میں افراد کا دخل نہیں ہے اور نہ انہیں انفرادی طریقہ اختیار کرنے کا حق ہے بلکہ معاملہ امام اور جماعت پر ہوتا ہے اور لوگوں کو امام اور جماعت کی اتباع کرنا ضروری ہے اس بنیاد پر اگر کوئی چاند دیکھ لے اور امام اس کی گواہی قبول نہ

کرے تو ان امور میں کچھ بھی انفرادی طریقہ اختیار کرنا اس کے لیے مناسب نہیں ہوگا اور اس پر جماعت کو لازم پکڑنا فرض ہوگا (حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجہ ۱/۵۰۹) واضح ہوا کہ حدیث میں صرف صیام وافطار وغیرہ امور میں انفرادیت اختیار کرنے سے روکا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ اپنے امام اور جماعت کو لازم پکڑیں اس سے اختلاف مطلع کے معتبر نہ ہونے پر استدلال کیسے درست ہو سکتا ہے؟

اسی طرح وہ ان تمام دلائل سے استدلال کرتے ہیں جن میں تمام مسلمانوں کو چاند دیکھ کر روزہ رکھنے اور چاند دیکھ کر افطار کرنے کو کہا گیا ہے اور ان میں قریب و بعید مطلع وغیرہ کی کچھ بھی تفصیل نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کہیں بھی شرعی طور پر رؤیت ثابت ہو جائے تمام مسلمان اس کا اعتبار کرتے ہوئے روزہ رکھیں اور عید منائیں مگر یہ استدلال صحیح نہیں ہے چند وجوہات کی بنیاد پر:

پہلی وجہ: اسلام پوری دنیا کے لیے آیا ہے اور اس کا خطاب تمام مسلمانوں کو عام ہے رویت کا حکم تمام خطوں کے لیے ہے۔

دوسری وجہ: یہ چیز امر واقع ہے کہ چاند ایک ہی دن پوری دنیا میں نظر نہیں آتا ہے بسا اوقات دو دن کا فرق بھی ہو جاتا ہے تو اگر خبر پر اعتماد کرتے ہوئے لوگ روزہ رکھ لیں اور وہاں چاند دو دن بعد طلوع ہو تو کیا اسے (إِذَا رَأَيْتُمُ الْهِلَالَ فَصُومُوا وَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَأَفْطِرُوا، یا اس طرح کی حدیثوں پر عمل کرنا کہا جائے گا؟ظاہر ہے کہ نہیں اس لیے کہ وہاں ابھی طلوع ہلال ہی نہیں ہوا ہے تو امر نبوی روئت پر عمل کیسے؟

تیسری وجہ: صیام رمضان کی فرضیت دو ہجری میں ہوئی اور مسلسل 9 سال تک مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان کے روزے رکھتے رہے مگر کسی بھی روایت میں یہ ثابت نہیں کہ آپ نے کبھی مکہ یا دیگر ملک کی رؤیت کا پتہ کیا ہو یا وفد بھیجا ہو۔

چوتھی وجہ: اسلام دور نبوی میں مکمل ہو چکا ہے اس میں کچھ حذف واضافہ جائز نہیں زمانۂ نزول وحی کے وقت یہ جدید وسائل نہ تھے جن سے وہ دیگر ممالک کی رؤیت کی خبر حاصل کرتے اس کے باوجود ان کا عمل اللہ کو محبوب تھا تو کیا آج جدید ذرائع کی وجہ سے نعوذ باللہ یہ ربانی معیار بدل جائے گا؟ قطعاً نہیں۔

پانچویں وجہ: صحیح مسلم کی حدیث کریب (جو گزر چکی ہے) جو صریح ہے اور فیصلہ کن ہے جس سے اعتبار اختلاف مطلع کا ثبوت ملتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں یہی بات حق ہے کہ جن ممالک کا مطلع الگ الگ ہے ان میں سے کسی ایک کی رؤیت دوسرے کے لیے کافی نہیں ہوگی بلکہ ہر ملک میں اپنی اپنی رؤیت سے صیام وافطار کا اہتمام کرنا مناسب ہوگا واللہ اعلم۔

آخر میں اللہ رب العالمین سے دعا ہے کہ ہمیں حق کو حق سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے آمین۔

مرضعہ (بچے کو دودھ پلانے والی) اور حاملہ خواتین کے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کا حکم

شیخ ابو احمد کلیم الدین یوسف
جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

خاتم النبیین، سید المرسلین، اور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی آخری شریعت کو جو چیز دیگر آسمانی شریعت سے نمایاں کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اس نے تمام مسائل کو بہت ہی دل نشین اور عام فہم انداز میں نہایت خوبصورتی کے ساتھ واضح کیا ہے، اور ہر مسئلہ میں یُسر و آسانی کے پہلو کو ترجیح دی ہے، انہی مسائل میں سے حاملہ اور بچے کو دودھ پلانے والی خواتین کے روزے کی قضا کا مسئلہ ہے، عموماً جو خواتین ماہِ رمضان کے دوران حمل سے ہوتی ہیں یا اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہوتی ہیں ان کیلئے روزہ رکھنا باعثِ مشقت ہوتا ہے، اور پھر بعد میں ان روزوں کی قضا مزید دشوار کن ہوتی ہے، کیوں کہ مدتِ حمل کی تکمیل کے بعد ولادت کا مرحلہ اور پھر اس کے بعد رضاعت کا عرصہ کافی طویل ہوتا ہے، اور اس مدت میں علی الاقل ایک یا اس سے زیادہ رمضان کے آنے کا موقع ہوتا ہے۔

محترم قارئین: اگر حاملہ یا دودھ پلانے والی خواتین کو روزہ رکھنے کی صورت میں اپنے یا اپنے بچے پر ڈر لگتا ہے تو ایسی صورت میں شریعت نے اس کے لئے کیا رہنمائی کی ہے؟

یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے لیکن آیئے ہم بالترتیب قرآن، حدیث اور اقوال صحابہ کی روشنی میں اس مسئلہ کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

قرآن مجید:

اللہ رب العالمین نے فرمایا: ((وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين)).

سورۃالبقرۃ(184)

اس آیت کی تفسیر میں عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح سند سے مروی ہے کہ وہ اس آیت سے مراد حاملہ، دودھ پلانے والی خواتین، اور ایسے بوڑھے مرد و خواتین کو لیتے تھے جو بڑھاپے کی وجہ سے روزہ رکھنے کی استطاعت نہیں رکھتے ہوں۔

ممکن ہے کہ کوئی یہ کہے کہ یہ آیت تو منسوخ ہے، تو عرض یہ ہے کہ نسخ کی بات عبداللہ بن عمر اور سلمہ ابن الاکوع رضی اللہ عنہما نے کہی ہے، لیکن عبداللہ بن عباس، معاذ بن جبل، اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک دوسرے قول میں اس آیت کے منسوخ ہونے کے قائل نہیں۔

محترم قارئین: مذکورہ اقوال کو دیکھ کر یہ نہ سمجھیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مابین اس آیت کے منسوخ ہونے کے سلسلے میں اختلاف تھا، ان کے درمیان اس کے منسوخ ہونے کے سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں تھا کیونکہ کہ سلف صالحین کی اصطلاح میں نسخ سے مراد صرف منسوخ ہونا نہیں تھا بلکہ اس سے مراد ان کے یہاں عموم کی تخصیص، یا استثناء، یا پھر مطلق کو مقید کرنا بھی ہوتا تھا، اسی طرح اگر کوئی حکم کسی شرط کے ساتھ مشروط ہوتا، یا پھر کسی خاص صفت کے ساتھ متصف ہوتا، تو سلف صالحین اسے بھی نسخ کہا کرتے تھے۔. جیسا کہ ابن القیم رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے(ا).

اور اس آیت کے سلسلے میں چونکہ صحابہ کرام سے نسخ اور عدم نسخ دونوں قسم کے اقوال منقول ہیں، اس لئے یہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کیلئے خاص ہے جو

بڑھاپے کی وجہ کر روزہ رکھنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں، یا پھر کوئی حاملہ یا دودھ پلانے والی خاتون ہو، اور روزہ کے سبب اسے اپنے نفس یا بچے پر کسی قسم کا خطرہ محسوس ہوتا ہو

چنانچہ یہی معنی اس آیت کی تفسیر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کیا ہے: ایسے بوڑھے مرد وخواتین جو روزہ رکھنے کی استطاعت نہیں رکھتے ہیں، اور وہ حاملہ اور دودھ پلانے والی خواتین جو روزہ رکھنے کی صورت میں اپنے اوپر یا اپنے بچے پر خوف محسوس کرتی ہوں ان کے حق میں اس آیت کا حکم باقی ہے، چنانچہ یہ لوگ روزہ چھوڑ دیں گے اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائیں گے (۲).

بلکہ یہ تفسیر اس آیت کا شان نزول بھی ہے اور کسی آیت کا شان نزول صحابہ سے منقول ہو تو وہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہوتا ہے۔

نیز یہی تفسیر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حاملہ اور مرضعہ اس آیت کے عموم میں داخل ہیں (۳).

صحابہ کرام کا اس تفسیر پر اجماع:

ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ تفسیر عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، ((ولا مخالف لهما في الصحابة)) اور صحابہ کرام میں سے کسی نے ان کی مخالفت نہیں کی (۴).

خلاصہ کلام یہ کہ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں محکم ہے جو بڑھاپے کی وجہ کر روزہ رکھنے پر قادر نہ ہوں، اور ایسی حاملہ اور دودھ پلانے والی خاتون جسے یہ خوف ہو کہ روزہ رکھنے کی وجہ کر اس کے بچے یا خود کے اس نفس پر خطرہ ہے۔

مذکورہ سطور سے یہ بات بھی واضح ہوتی کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین حاملہ اور مرضعہ کے روزہ کے احکام کو اس بوڑھے مرد وخواتین کے احکام کے موافق سمجھتے تھے جو بڑھاپے کی وجہ سے روزہ رکھنے کی استطاعت نہیں رکھتے ہوں، نہ کہ عام مریضوں میں ان کا شمار کرتے تھے۔

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم.

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إِنَّ اللهَ وَضَعَ عَنِ المسَافِرِ شَطْرَ الصَّلاَةِ، وَالصَّوْمَ عَنِ المسَافِرِ وَعَنِ المرْضِعِ وَالحُبْلَى"(۵).

ترجمہ: بے شک اللہ رب العالمین نے مسافر کیلئے آدھی نماز معاف کردی، اور مسافر، حاملہ اور دودھ پلانے والی خواتین سے روزے کو معاف کردیا۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ حاملہ اور بچے کو دودھ پلانے والی خواتین سے روزے معاف ہیں۔

اس حدیث پر کوئی یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ اس میں تین قسم کے لوگوں کا ذکر ہے جن پر شریعت نے روزہ رکھنے کے باب میں آسانی فرمائی ہے، مسافر، مرضع اور حاملہ لیکن شریعت نے دورانِ سفر مسافر سے روزہ معاف کیا ہے نہ کہ ہمیشہ کے لئے، اس لئے سفر کے بعد جب مسافر کے اوپر قضا واجب ہے، تو پھر مرضع اور حامل کی حمل اور رضاعت کی مدت ختم ہونے کے بعد ان پر روزے کی قضا واجب کیوں نہیں؟

اس کا سب سے پہلا جواب یہ ہے کہ لفظ "و" پر عطف کی وجہ کر مسافر اور حاملہ و مرضعہ کا حکم ایک ہی قرار دینا صحیح نہیں ہے، یہ دلیل اقتران کے نام سے جانی جاتی ہے، اور فقہاء واصولیین کے یہاں دلیل اقتران ضعیف شمار ہوتی ہے، اس لئے یہ دلیل صحیح نہیں ہے کہ دونوں کو ایک ساتھ ذکر کیا تو دونوں کا حکم ایک ہی ہوگا۔

واو ہمیشہ اشتراک کیلئے نہیں آتا بلکہ وہ کبھی مغایرہ کیلئے آتا ہے، اور کبھی کسی اور معنی کیلئے، ہر معنی کی تعیین سیاق وسباق سے کی جائے گی۔

یہاں پر لفظ **واو** کی وجہ کر مسافر اور حاملہ ومرضعہ دونوں کا حکم ایک ہی سمجھنا یہ درست نہیں، کیوں کہ مسافر کو روزہ چھوڑنے کے ساتھ اور دوسری مراعات بھی حاصل ہے جیسے نماز کو قصر کرنا، سنت کا معاف ہونا، جمع بین الصلاتین کا ہونا، وغیرہ، جبکہ حاملہ ومرضعہ کو یہ مراعات حاصل نہیں ہے۔

شریعت میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ **واؤ** کے عطف کے ساتھ دو چیزیں ذکر ہیں لیکن دونوں کا حکم الگ ہے، مثال کے طور پر اللہ رب العالمین نے فرمایا: ﴿كُلوا مِن ثَمَرِهِ إِذا أَثمَرَ وَآتوا حَقَّهُ يَومَ حَصادِهِ﴾۔

[الأنعام: ۱۴۱] یعنی جب غلہ ہونے لگے تو اسے کھاؤ بھی اور اس کی زکاۃ بھی نکالو۔

اس آیت کریمہ میں کھانے کا اور زکاۃ نکالنے کا حکم ایک ساتھ دیا گیا اور ایک حکم کو دوسرے پر واو کے ذریعہ عطف کیا گیا ہے، لیکن کھانا مستحب ہے اور زکاۃ دینا واجب ہے، اگر ہم واو عاطفہ کی وجہ کر کھانا اور زکاۃ دونوں کو واجب قرار دیں تو آدمی مشکل میں پڑ جائے گا۔

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عشر من الفطرة: قص الشارب، وإعفاء اللحية، والسواك، واستنشاق الماء، وقص الأظفار، وغسل البراجم، ونتف الإبط، وحلق العانة، وانتقاص الماء(٦).

یعنی دس چیزیں انبیاء کرام کی سنتیں رہی ہیں....

قارئین کرام آپ غور فرمائیں کہ ہر مسئلہ کو دوسرے پر واو کے ذریعے عطف کیا گیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوا کہ اس حدیث میں موجود تمام چیزیں سنت ہیں، بلکہ کچھ واجبات بھی ہیں، جیسے داڑھی رکھنا واجب ہے، جب کہ مسواک کرنا سنت ہے... وغیرہ۔

پتہ یہ چلا کہ شریعت نے اگر دو چیز کو ایک ساتھ ذکر کیا ہے تو ضروری نہیں کہ دونوں کا حکم بھی ایک ہی ہو، اس لئے اس دلیل کی بنیاد پر مسافر اور مرضعہ و حاملہ کے لئے قضاء کو یکساں قرار دینے والی اصولی اعتبار سے بالکل بھی صحیح نہیں، اور نہ ہی ان کا استدلال درست ہے۔

دوسری بات یہ کہ مریض سے روزہ کی معافی قضاء کے ساتھ مشروط ہے جیسا کہ خود شریعت نے اس کی وضاحت کی ہے جیسا کہ رب کا فرمان ہے: "ومن كان مريضا أو على سفر فعدة من أيام أخر".

ترجمہ: جو ماہِ رمضان میں مریض ہو جائے یا مسافر ہو تو وہ دوسرے ایام میں ان فوت شدہ روزوں کی قضا کر لے۔

جبکہ حاملہ اور دودھ پلانے والی خواتین کی قضا کا حکم کہیں بھی وارد نہیں۔

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے مذکورہ آیت واحادیث سے یہی سمجھا ہے اور اس کی صراحت بھی کی ہے کہ حاملہ اور دودھ پلانے والی خواتین چھوٹے ہوئے روزے کی قضا نہیں کریں گی، البتہ ان روزوں کا فدیہ ادا کریں گی، چنانچہ:

1- عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: "إِذَا خَافَتِ الحَامِلُ عَلَى نَفْسِهَا وَالمُرْضِعُ عَلَى وَلَدِهَا فِي رَمَضَانَ يُفْطِرَانِ، وَيُطْعِمَانِ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا، وَلَا يَقْضِيَانِ صَوْمًا" (٧).

ترجمہ: جب حاملہ اور دودھ پلانے والی خواتین روزہ رکھنے میں اپنے اوپر یا اپنے بچے کے اوپر خوف محسوس کریں (یعنی روزہ رکھنے سے حمل کو خطرہ ہو یا پھر دودھ میں کمی کا خطرہ ہو، یا پھر خود حاملہ اور مرضعہ کی صحت کا خطرہ ہو) تو وہ روزہ نہیں رکھیں گی، اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائیں گی، اور ان چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا نہیں کریں گی۔

2- عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک حاملہ یا دودھ پلانے والی لونڈی کو دیکھا تو اس سے کہا کہ: "«أَنْتِ بِمَنْزِلَةِ الَّذِي لَا يُطِيقُهُ، عَلَيْكِ أَنْ تُطْعِمِي مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا، وَلَا قَضَاءَ عَلَيْكِ» (٨).

ترجمہ: تمہارا شمار ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں روزہ رکھنے کی استطاعت نہیں، اس لئے تم ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلادو، اور جو روزے چھوٹ جائیں ان کے قضاء کی ضرورت نہیں۔

3- عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اہلیہ حاملہ تھیں، انہوں اپنے روزے کے تعلق سے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: «أَفْطِرِي وَأَطْعِمِي عَنْ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا وَلَا تَقْضِي» (٩).

روزہ توڑ لو اور ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلاؤ اور ان روزوں کی قضا کی کوئی ضرورت نہیں۔

ان دونوں جلیل القدر صحابی کا قول بالکل روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ حاملہ اور دودھ پلانے والی خواتین کو حمل اور رضاعت کی مدت میں چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا نہیں کرنی ہے، اور دونوں صحابی کا یہ قول صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان مشہور تھا لیکن کسی ایک صحابی نے بھی ان کی مخالفت نہیں، اسے اجماع سکوتی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ علی اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے تو حاملہ اور مرضعہ کے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضاء تو منقول ہے؟؟!!!

رہی بات علی رضی اللہ عنہ کے قول کی تو بہت تلاش کرنے کے باوجود بھی مجھے علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول صحیح یا ضعیف سند سے حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ملا، البتہ امام سرخسی نے اپنی کتاب "المبسوط" میں، اور امام کاسانی نے اپنی کتاب "بدائع الصنائع" میں علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول صیغہ تمریض کے ساتھ بغیر سند کے ذکر کیا ہے (۱۰).

اور رہی بات عبد اللہ بن عمر رضی اللہ کے قول کی تو اسے امام قاسم بن سلام نے اپنی کتاب "الناسخ والمنسوخ" (۱۱) میں دو سندوں سے ذکر کیا ہے جس کا مدار ابن ابی لبیبہ پر ہے، ان سے جعفر بن محمد اور عبید اللہ بن عمر نے اس اثر کو روایت کیا ہے، قضاء کا حکم جعفر بن محمد نے ذکر کیا ہے جبکہ عبید اللہ بن عمر نے اس زیادتی کو ذکر نہیں کیا ہے جیسا کہ خود قاسم بن سلام نے ذکر کیا ہے، اور جعفر بن محمد صدوق ہیں، جبکہ عبید اللہ بن عمر ثقہ اور ثبت ہیں، اور قاعدہ ہے کہ جب کوئی صدوق راوی ثقہ راوی کی مخالفت کرے تو اس کی روایت شاذ قرار پاتی ہے، اور شاذ روایت ضعیف ہوتی ہے، اور یہاں پر جعفر بن محمد نے جو کہ صدوق راوی ہیں عبید اللہ بن عمر کی مخالفت کی ہے جو کہ ثقہ راوی ہیں، اس لئے لفظ "قضاء" کی زیادتی ضعیف ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت نہیں.

امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی ذکر کیا ہے کہ بعض اہل علم اسی بات کے قائل تھے کہ حاملہ و مرضعہ صرف فدیہ دے گی قضاء نہیں کرے گی (۱۲).

اس لئے یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ جدید قول ہے.

مندرجہ بالا آیت، حدیث اور اقوال صحابہ کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شریعتِ اسلامیہ نے حاملہ اور بچے کو دودھ پلانے والی خواتین سے روزے کو معاف کیا ہے، اور اس کی قضا بھی ان کے اوپر واجب نہیں کی ہے، صرف چھوٹے ہوئے روزوں کا فدیہ ادا کرنا ان کے اوپر واجب ہے۔

کچھ لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جمہور کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہے، لیکن ان کی اکثریت تو اس بات کی قائل ہیں کہ حاملہ اور مرضعہ چھوٹے ہوئے روزوں کی قضاء کرے گی!!!

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی مسئلے میں اکثریت کا ایک رائے پر قائم ہونا اس کے راجح یا صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہوتی، صحیح اسی کی بات ہوتی ہے جس کی تائید کتاب وسنت سے ہو.

مثال کے طور پر طلاق ثلاثہ کے مسئلہ کو لے لیں ائمہ اربعہ اور اکثر علماء اسی بات کے قائل ہیں کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاق تین شمار ہوگی، جب کہ کتاب وسنت کے نصوص، نیز صحابہ کرام کا طرز عمل اور محققین علماء اسی بات کے قائل تھے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاق ایک ہی شمار ہوگی.

اسی طرح آٹھ رکعت تراویح کے مسئلہ کو لے لیں، اکثریت بیس یا اس سے زائد کی قائل ہے، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا تعامل صرف اور صرف آٹھ رکعت تراویح ہے.

اس لئے علم وتحقیق کی دنیا میں اکثریت کی دہائی دینا مناسب نہیں، بلکہ دلائل سے بات کرنا ہی حق وصواب کی دلیل ہے.

واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

---

(۱) اعلام الموقعین عن رب العالمین (۲۹/۱).

(۲) المنتقی لابن الجارود (۴۱۸).

(۳) المغنی (۱۵۰/۳).

(۴) المغنی (۱۵۰/۳).

(۵)اس روایت کو امام إبو داود (2408)، امام ترمذی (715)، امام نسائی (2275)، امام ابن ماجہ (1667)، امام ابن خزیمۃ (2042)، امام احمد (19841)، اور امام بیہقی (8172)، نے انس بن مالک الکعبی رضی اللہ عنہ سے روایت کیاہے، اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، جبکہ شیخ البانی رحمہ اللہ، مقبل الوادعی رحمہما اللہ وغیرہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: صحیح إبي داود: (71/2)، اور "الصحیح المسند" (74)۔

(٦) صحیح مسلم (223/1)

(۷)اس اثر کو امام طبری نے اپنی تفسیر میں روایت کیاہے (۱۳٦/۲)، اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس اثر کی سند کو صحیح مسلم کی شرط پر صحیح کہاہے «اِرواء» (۱۹/۴).

(۸)اس اثر کو بھی امام طبری نے اپنی تفسیر میں (۱۳٦/۲)، اور امام دارقطنیؒ نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے (۲۳۸۲)، اور دارقطنی اور شیخ البانی رحمہما اللہ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیاہے، «اِرواء» (۱۹/۴)۔

(۹)اس اثر کو امام دارقطنی نے نقل کیاہے (۲۳۸۸)، اور شیخ البانی نے اس کی سند کو جید کہاہے۔

(۱۰)المبسوط (۹۹/۳)، بدائع الصنائع (۹۷/۲).

(۱۱) "الناسخ والمنسوخ" (ص: ۶۲، ۶۳)

(۱۲) سنن ترمذی (۸۵/۳).

میت کی طرف سے قربانی

محمد مجتبی محمد مصطفی
متعلّم جامعۃالملک سعود

میت کی طرف سے قربانی کے سلسلے میں علماء کے درمیان بہت اختلاف ہے بعض جائز کے قائل ہیں اور بعض اس کے بر عکس ہیں۔

ظاہر ہے قربانی زندہ لوگوں کے ہاتھوں ہی انجام پاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ﴿وأن ليس للإنسان إلا ما سعى﴾ [النجم: ۳۹] اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے " إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله......" کے ذریعہ مردوں کے سارے اعمال اور ان کے ثواب کو باستثناء چند ختم کر دیا۔ لہٰذا مردے نہ تو قربانی کر سکتے ہیں اور نہ ہی ان کی طرف سے قربانی مقبول ہو گی، کیوں کہ قربانی ایک عبادت ہے جو بلا دلیل قرآن وسنت ثابت نہ ہو گی، اس میں قیاس کا کوئی عمل دخل نہیں، اس چیز کو ثابت کرنے کے لئے میں نے یہ مختصر تحریر پیش کی ہے۔

کیا میت کی طرف سے قربانی ہے؟

میت کی طرف سے قربانی جائز ہے یا نہیں اس سلسلے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں.

پہلا قول: میت کی طرف سے قربانی جائز نہیں۔

دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

1-اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وأن ليس للإنسان إلا ما سعى﴾ [النجم: ۳۹]

یعنی انسان کو صرف اپنے عمل کا ثواب ملے گا، دوسرے کے عمل کا ثواب نہ ملے گا، البتہ بعض احادیث میں ثابت ہے کہ بعض اعمال کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ جیسے دعا، صدقہ، اور نفع بخش علم وغیرہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ ؛ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ))[صحیح مسلم ۱۶۳۱]

یعنی جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے ؛ صدقہ جاریہ، نفع بخش علم، صالح اولاد جو اس کے لیے دعائیں کرتی رہے۔

تو اس عام قائدہ سے مستثنیٰ صرف وہی عبادات ہیں جو کتاب وسنت میں وارد ہیں جس عمل کے بارے میں نص نہیں وہ اس عام حکم میں شامل ہے کہ کسی کو دوسرے کے عمل کا ثواب نہیں ملتا۔

سلطان العلما عز بن عبدالسلام نے فرمایا: " ومن فعل طاعة لله ثم أهدى ثوابها إلى حي أو ميت، لم ينقل ثوابها إليه"

جو شخص اللہ کی اطاعت کے لئے کسی کام کو انجام دیتا ہے اور اس کے ثواب کو کسی میت یا زندہ کی طرف بھیجتا ہے تو اس کا ثواب اس کی طرف منتقل نہیں ہوتا۔ (احکام الجنائز/۲۲۰)

چونکہ میت کی طرف سے قربانی صحیح نص سے ثابت نہیں ہے، اس لئے قاعدہ عامہ **"کسی کو دوسرے کے عمل کا ثواب نہیں ملتا"** اس روشنی میں میت کی طرف سے قربانی جائز نہیں ہوتی۔

علامہ البانی رحمہ اللہ نے احکام الجنائز میں ان تمام اعمال کو بالاستیعاب جمع کیا ہے جن کا ثواب میت کو پہنچے گا مگر اس میں قربانی کا ذکر نہیں ہے۔ (احکام الجنائز/ ۲۱۳_۲۲۶)

2 ۔قربانی ایک عبادت ہے اور کوئی بھی عبادت بلا دلیل ثابت نہیں ہوتی، کیوں کہ عبادات کے باب میں اصل حرمت ہے اس لئے کوئی عبادت اس وقت تک جائز نہیں ہوتی جب تک کہ وہ دلیل سے ثابت نہ ہو جائے قرآن سے یا حدیث سے، قیاس کے ذریعہ کسی عبادت کا اثبات جائز نہیں، عبادت کے باب میں نص پر اکتفا کرنا اور قیاس سے بچنا واجب ہے۔[مجلّہ اھل السنۃ ۴/ شمارہ ۷/۴/۴۴, ستمبر ۲۰۱۵ء]

3 ۔ میت کی طرف سے قربانی چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت نہیں ہے کیوں کہ اس سلسلے میں کوئی صریح صحیح روایت نہ تو مرفوعاً ثابت ہے نہ موقوفاً۔

محدث عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں" لم أجد في التضحية عن الميت منفردا حديثاً مرفوعا صريحا"[تحفۃالاحوذی، کتاب الاضاحی، باب ماجاء فی الاضحیہ عن المیت ۱/۱۳۹۰]

شیخ غازی عزیر نے فرمایا: "جو لوگ میت کی طرف سے باختصاص قربانی کا گمان رکھتے ہیں انہیں جاننا چاہیے کہ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے کیوں کہ میت کی طرف سے قربانی کے بارے میں کوئی صحیح مرفوع حدیث موجود نہیں ہے۔ (جریدہ ترجمان: جولائی ۲۰۰۲ء/۱۶۰)

ان چند دلائل واقوال سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ کہ میت کی طرف سے قربانی جائز نہیں ہے۔

دوسرا قول: میت کی طرف سے قربانی درست ہے۔

دلائل حسب ذیل ہیں:

1 . حدیث میں وارد لفظ **"امت"** کے عموم سے استدلال۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی طرف سے قربانی کرتے تھے :

"اللهم إن هذا عن أمتي جميعا من شهد لك بالتوحيد وشهد لي بالبلاغ " [مسند احمد رقم ٢٧١٩] اور کہتے " اللهم تقبل من محمد وآل محمد ومن أمة محمد "[صحیح مسلم ١٩٦٧]

وجہ استدلال : یہ ہے کہ اس فرمان کے وقت امت میں کچھ فوت ہو چکے تھے اور کچھ زندہ تھے اور دونوں ہی قسم کے لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی میں شامل تھے۔

اسی حدیث سے شیخ عبدالعزیز المحمد السلمان نے جواز کا فتویٰ بھی دیا ہے۔[اتحاف المسلمین ٣/٥٨,٥٧]

جواب : لفظ امت کے عموم سے استدلال نہ تو عقلًا درست ہے اور نہ ہی نقلا درست ہے کیوں کہ شرعی احکام کے مخاطب صرف زندہ ہوتے ہیں نہ کہ مردہ، کیا کتاب وسنت میں وارد اہل ایمان واسلام کے خطاب میں مردوں کو بھی شامل ماننا درست ہے؟ کتاب وسنت میں جہاں بھی امت کو خطاب کیا گیا ہے وہاں زندہ مراد ہیں نہ کہ مردہ۔

اس لئے لفظ امت سے استدلال کرتے ہوئے میت کی طرف سے قربانی کے جواز کا فتویٰ دینا درست نہ ہو گا۔

2 . حدیث علی رضی اللہ عنہ سے استدلال : کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کیا کرتے تھے :

عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ كَانَ يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ أَحَدُهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالْآخَرُ عَنْ نَفْسِهِ، فَقِيلَ لَهُ، فَقَالَ : أَمَرَنِي بِهِ - يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَلَا أَدَعُهُ أَبَدًا .

علی رضی اللہ عنہ دو مینڈھوں کی قربانی کرتے تھے،ایک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور دوسرا اپنی طرف سے،توان سے اس بارے میں پوچھا گیاتوانہوں نے بتایا کہ مجھے اس کا حکم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے،لہٰذا میں اس کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔

مخارج حدیث:

١ . سنن الترمذی ١٦١/٣ رقم ١٤٩٥   ٢ . سنن ابی داود ١٥٧/٣ رقم ٢٧٩٠

٣ . سنن الکبری للبیہقی ٢٨٨/٩ رقم ١٩٢٥٣   ٤ .المستدرک علی الصحیحین ٢٣٠/٤ رقم ٧٦٥١

٥ . مسند احمد ٤٢٠/٢ رقم ١٢٧٩   ٦ . مسند ابی یعلی ٣٥٥/١ رقم ٤٥٩

٧ . مصنف عبد الرزاق ٣٨١/٤ رقم ٨١٣٧

سند حدیث:

من طریق: شریک، عن ابی الحسناء، عن الحکم، عن حنش بن الحارث، عن علی.

حکم الحدیث: ضعیف

علت ضعف: ابو الحسناء مجہول راوی ہے۔

حافظ ابن حجر نے ابو الحسناء کو مجہول قرار دیا ہے۔(تقریب التھذیب رقم ١١٣٤)

١ .علامہ البانی اس حدیث کے سلسلے میں کہتے ہیں: اسنادہ ضعیف [ترمذی للالبانی ١٤٩٥]

۲ . امام ترمذی کہتے ہیں: حدیث غریب [سنن ترمذی ۳/۱۶۱ رقم ۱۴۹۵]

۳ .علامہ مبارکپوری کہتے ہیں: ضعیف [تحفۃ الاحوذی ۲/۳۵۳]

اس حدیث سے استدلال کرنے والے علماء مندرجہ ذیل ہیں:

امام بغوی رحمہ اللہ، عبدالعزیز المحمد السلمان رحمہ اللہ، عبید اللہ مبارکپوری رحمہ اللہ

(شرح السنۃ ۵۸,۵۷/۴، اتحاف المسلمین ۳/۵۷, مرعاۃ المفاتیح ۵/۹۴)

لیکن یہ حدیث ضعیف ہے اس لئے اس سے استدلال کرکے جواز کا فتویٰ دینا درست نہ ہوگا۔

3 .قربانی کو صدقہ اور حج بدل پر قیاس کرکے :

جس طرح میت کی طرف سے صدقہ کا ثواب اس کو پہنچتا ہے اسی طرح قربانی کا ثواب بھی پہنچے گا۔

حج بدل جائز ہے جب کہ قربانی اس کا ایک حصہ ہے۔

اس سے بعض علماء نے استدلال کرتے ہوئے میت کی طرف سے قربانی کے جواز کا فتویٰ دے دیا ہے۔ مثلاً :

۱ . شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

۲ . شیخ ابن باز رحمہ اللہ

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ جواز کا فتویٰ دیتے ہوئے رقمطراز ہیں: " تجوز الأضحية عن الميت كما يجوز الحج عنه والصدقة عنه" (مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۲۶/۳۰۷)

یعنی جس طرح میت کی طرف سے حج اور صدقہ جائز ہے ایسے ہی ان کی طرف سے قربانی بھی جائز ہے۔

وجہ استدلال: علامہ ابن تیمیہ کی مذکورہ تحریر سے یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ انہوں نے اس پر نصوص سے استدلال نہیں کیا ہے خواہ وہ صحیح ہوں یا ضعیف بلکہ صدقہ اور حج پر قربانی کو قیاس کر کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، لیکن اولا علامہ رحمہ اللہ کا یہ قیاس کرنا ہی درست نہیں ہے کیوں کہ جس طرح قربانی ایک عبادت ہے اسی طرح صدقہ اور حج بھی ایک عبادت ہے اور مسائل تعبدیہ توقیفی ہوا کرتے ہیں، ان میں سے ایک دوسرے پر قیاس جائز نہیں ہوتا، لیکن اس سے قطع نظر اگر قربانی کو صدقہ اور حج پر قیاس کیا بھی جائے تو قیاس صحیح نہ ہوگا بلکہ قیاس مع الفارق ہوگا جو کہ قیاس فاسد ہوتا ہے لہٰذا علامہ رحمہ اللہ نے صدقہ اور حج پر قیاس کیا ہے وہ بھی قیاس فاسد ہے۔

یہ قیاس کیوں فاسد ہے؟

۱. اس قیاس کے فاسد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اصل میں جو علت پائی جارہی ہے وہ فرع میں نہیں پائی جارہی ہے بلکہ دونوں میں فوارق پائے جاتے ہیں جب کہ قیاس کی صحت کے لئے اصل کی علت فرع میں پایا جانا ضروری ہے۔

۲ . صدقہ پر قیاس کیوں فاسد ہے؟

قیاس میں مقیس اور مقیس علیہ میں فوارق کا بہت دخل ہوتا ہے اگر کسی قیاس میں فوارق پائے جاتے ہیں تو وہ قیاس درست نہیں ہوتا اور قیاس مع الفارق ہو کر مردود ہو جاتا ہے صدقہ اور حج پر قربانی کو قیاس کرنے کی صورت میں مقیس (قربانی) اور مقیس علیہ (صدقہ اور حج) میں بہت سارے فوارق پائے جاتے ہیں مثلاً:

1-صدقہ کا مال متصدق کے لئے کھانا جائز نہیں ہے، جب کہ قربانی کا گوشت قربانی کرنے والا خود کھا سکتا ہے۔

2- حج پر قیاس کرنا کیوں فاسد ہے؟

چونکہ قیاس کی صورت میں اصل (حج) کے اندر جو علت پائی جارہی ہے وہ فرع (قربانی) میں موجود نہیں ہے بلکہ قربانی اور حج میں فوارق پائے جارہے ہیں اس لیئے یہ قیاس مع الفارق ہوگا، اور قیاس مع الفارق جائز نہیں۔

3-علامہ ابن باز رحمہ اللہ :

نے بھی قربانی کو صدقہ پر قیاس کر کے جائز ٹھہرا دیا ہے۔[مجموع فتاوی ابن باز ۶/۳۸۵]

4- علماء کا فتویٰ :

میت کی طرف سے قربانی کے جواز کے سلسلے میں بعض علماء کے فتاویٰ سے استدلال، جیسا کہ احمد حسن محدث دہلوی نے امام نووی رحمہ اللہ کے قول پر تکیہ کر کے جواز کا فتویٰ دیا ہے وہ لکھتے ہیں: کہ امام نووی مسلم شریف کی شرح میں فرماتے ہیں: '' إن الصدقة تقع عن الميت ويصله ثوابها والثابت عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يضحي عن أمته ولا يخفى أن أمته صلى الله عليه وسلم كان كثير منهم توفوا فى عهده –صلى الله عليه وسلم– فالأموات والإحياء كلهم من أمته– صلى الله عليه وسلم– دخلوا فى أضحية النبي صلى الله عليه وسلم فقول بعض أهل العلم الذي رخص فى الأضحية عن الأموات مطابق للأدلة'' (تنقيح الرواة فى تخريج أحاديث المشكوة ١/١٧٧)

یقینا صدقہ میت کی طرف سے واقع ہو جاتا ہے اور اس کا ثواب اس کو پہنچتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ اپنی امت کی طرف سے قربانی کرتے تھے، یہ بات مخفی نہیں کہ آپ کی امت میں سے بہت سے لوگ آپ کے عہد میں وفات پاگئے تھے تمام مردے اور زندے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی میں داخل ہوئے۔

اس دلیل کی بنیاد پر بعض اہل علم نے میت کی طرف سے قربانی کی رخصت دی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جواز کے قائلین کے پاس کوئی ٹھوس اور مضبوط دلیل نہیں ہے لہٰذا اس مسئلہ میں بات وہی صحیح ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا کہ میت کی طرف سے قربانی جائز نہیں ہاں البتہ ہر کوئی نیک اولاد قربانی کرتا ہے تو ضمناً اس کا ثواب اس کے مرے ہوئے والدین کو بھی پہنچے گا۔

واللہ اعلم بالصواب۔

عشرہ ذی الحجہ اور قربانی کے احکام و مسائل

ابو اسعد محمد مسلم مدنی
سابق استاذ جامعہ اسلامیہ دریاباد

یہ مضمون دوماہی مجلّہ استدراک کے شمارہ ربیع الآخر تا رجب المرجب ۱۴۲۳ھ میں شائع ہو چکا ہے، علمی اور تحقیقی مضمون ہونے کے ناطے بطور افادہ عامہ دوبارہ مضمون نگار کی اجازت سے شائع کیا جارہا ہے

مسائل قربانی پر مختصر اور آسان زبان میں یہ ایک ادنی کوشش ہے جسے لوگوں تک پہنچانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس مصروفیت کے زمانہ میں لوگ بآسانی اس تحریر کو پڑھ کر اس موضوع سے متعلق کچھ اہم معلومات حاصل کر سکیں، مسائل کا اکٹھا کرنا تو آسان ہے لیکن تحقیق اور حوالوں سے مزین کرنا کتنا دشوار مرحلہ ہے اس کا اندازہ ایک عالم ہی کر سکتا ہے، اس تحریر میں بہت سے ایسے مسائل ذکر کرنے سے گریز کیا گیا ہے جن کا کوئی معتمد حوالہ نہ مل سکا، یا وہاں تک رسائی نہ ہو سکی، البتہ اس میں جو مسئلہ بھی ذکر کیا گیا ہے اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

عشرہ ذی الحجہ کی فضیلت:

عشرہ ذی الحجہ سے مراد "ذی الحجہ کے شروع کے دس دن ہیں"۔

★اللہ تعالی کو نیک عمل جتنا ان دس دنوں میں پسندیدہ ہے اتنا کسی دوسرے ایام میں نہیں ہے۔[بخاری 969]

★جو قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو وہ ذی الحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد اپنا ناخن، بال نہ کاٹے."

(مسلم 1977)

★امام ابن سیرین تابعی رحمہ اللہ، ذی الحجہ کا پہلا عشرہ شروع ہوتے ہی گھر کے کسی بھی فرد کا ناخن اور بال کاٹنا پسند نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ چھوٹے بچوں کے سر منڈانے پر بھی اعتراض کرتے تھے۔(المحلی 8/17) مسئلہ نمبر(976)

★ "یوم عرفہ (نویں ذی الحجہ) کا روزہ رکھنے سے گذشتہ اور آئندہ دو سالوں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں. (یہ استحباب غیر حاجیوں کے لئے ہے)۔[مسلم 1162]

★اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَالْفَجرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾الفجر 2-1) قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی " یہاں دس راتوں سے مراد ذی الحجہ کے شروع کے دس دن ہیں۔ (ابن کثیر 4/651)

عشرہ ذی الحجہ کی فضیلت میں چند ضعیف روایات:

1- عشرہ ذی الحجہ کے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے، اور اس کی ہر رات کا قیام شب قدر کے قیام کی طرح ہے۔[ترمذی 758 ابن ماجہ 1728 دیکھئے: الضعیفہ للالبانی حدیث نمبر 5142-5163]

2- "جس نے چار راتوں میں شب بیداری کی اس کے لئے جنت واجب ہو گئی، ترویہ کی رات (۸ ذی الحجہ) عرفہ کی رات، عید کی رات اور بقر عید کی رات"۔ (الضعیفۃ(522)

3- "جس نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی رات شب بیداری کی (یعنی عبادت کی) تو اس کا دل اس دن مردہ نہیں ہو گا جس دن سارے لوگوں کے دل مردہ ہو جائینگے". (الضعیفۃ 520)۔

4- "عشرہ ذی الحجہ کے ایک دن کا روزہ ایک مہینہ کے روزوں کے برابر ہے، اور ترویہ کا روزہ ایک سال کے روزہ کے برابر ہے۔ (الموضوعات 2/565)

5 ۔ عرفہ کے دن مخصوص نمازوں کا جو بھی طریقہ اور تذکرہ آیا ہے وہ ساری کی ساری روایتیں ضعیف ہیں۔

دیکھیں: [الموضوعات لابن الجوزی (448-2/449) الفوائد المجموعۃ 111-53/112، اللآلی المصنوعۃ 2/52، تنزیہ الشریعۃ 2/95 وغیرہ]

★ تکبیرات کے مسائل:

تکبیرات کے سلسلے میں علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ یوم عرفہ (9 ذی الحجہ) کی صبح سے لے کر منی کے آخری ایام (یعنی 13 ذی الحجہ) تک پکارنی چاہیے۔ فتح الباری [462/2]

★ صحابہ سے تکبیرات کے مختلف صیغے وارد ہوئے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں :

1 _ **اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر کبیرا** { بیہقی 3/316 فتح الباری 2/462}

2_ **اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد**. (الارواء 3/125 فتح الباری 462/2)

نوٹ: زينوا أعيادكم بالتكبير " یعنی اپنی عید کو تکبیر سے مزین کرو۔ ضعیف روایت ہے۔ (ضعیف الجامع الصغیر (3182)۔

★ عیدین کے مسائل:

ابن عمر رضی اللہ عنہما عید گاہ جانے سے قبل غسل کرتے تھے۔ (موطأ 1/177 بیہقی 3/278)

نوٹ:۔ عیدین کے دن غسل کرنے کے سلسلے میں آنے والی مرفوع روایتیں ضعف سے خالی نہیں، لیکن بعض علماء نے عیدین کے روز غسل کے مستحب ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم.

(المرعاۃ المفاتیح 5/69)

★عید کے لئے اچھا کپڑا زیب تن کرنا سنت ہے۔ (بخاری: باب فی العیدین والتجمل فیه 949)

ابن عمر رضی اللہ عنہما عیدین میں عمدہ اور بہترین قسم کا لباس زیب تن کرتے تھے۔[بیہقی 3/281 فتح الباری (439/2)]

*عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنا منع ہے .(بخاری 1990 مسلم 1137)۔

*غیر حاجیوں کے لئے ایام تشریق کا بھی روزہ رکھنا منع ہے۔(صحیح الجامع الصغیر (6961)

رسول اللہ ﷺ عید الفطر کے دن طاق کھجوریں کھا کر عید گاہ جاتے تھے۔(بخاری (953)

★نوٹ: اور اس کو روزہ قرار نہیں دیا جاسکتا جیسا کہ ایک موضوع روایت کے اندر آیا ہوا ہے۔

من صام صبيحة يوم الفطر فكأنما صام الدهر "(العلل المتناهية(2/57رقم:899)جس نے عید الفطر کی صبح روزہ رکھا گویا اس نے سال بھر کا روزہ رکھا۔

عید الاضحیٰ میں اللہ کے نبی ﷺ بغیر کچھ کھائے پیئے عید گاہ جاتے تھے اور واپس آکر اپنی قربانی کا گوشت کھاتے تھے۔(احمد 22984،ترمذی 542 وغیرہما)

رسول اللہ عید کے دن باکرہ، حائضہ اور پردہ نشیں کنواری لڑکیوں کو بھی عید گاہ لے جانے کا حکم دیتے تھے۔

لیکن فرماتے: حائضہ عورتیں نماز نہ پڑھیں، البتہ خیر اور مسلمانوں کی دعا میں شامل ہوں.

[بخاری 819 مسلم 890]

عید گاہ جاتے اور واپس ہوتے وقت راستہ تبدیل کرنا سنت ہے"۔(بخاری 986)۔

نوٹ: نماز عیدین میں تکبیرات زوائد کے لئے رفع یدین کرنا کسی صحیح مرفوع حدیث سے ثابت نہیں۔ عمر،ابن عمر اور زید رضی اللہ عنہم سے آنے والی روایتیں یا تو ضعیف ہیں یا پھر ان کی سند کا علم نہیں. (الإرواء 3/112)۔

تنبیہ: رمضان کے موقع سے بعض اشتہارات میں اس عمل کو سنت اور اجلہ صحابہ کرام سے ثابت ماننا محتاج دلیل ہے۔

★ عیدین کی نماز کے لئے اذان و اقامت مشروع نہیں۔ (بخاری 960 مسلم 86-885)۔

★ خطبہ عید کے لئے عید گاہ میں منبر لے جانا اور نماز سے پہلے خطبہ دینا، یہ دونوں چیزیں مروان کی ایجاد کردہ بدعات میں سے ہیں۔ (بخاری 956 و مسلم 889)۔

★ نماز عید کی پہلی رکعت میں قرآت سے پہلے سات زائد تکبیریں اور دوسری رکعت میں قرآت سے پہلے پانچ زائد تکبیریں مسنون ہیں۔ (ابوداود 50-1149)۔

★ نماز عید کی پہلی رکعت میں **سورہ اعلیٰ** اور دوسری رکعت میں **سورۃ الغاشیہ** یا پھر پہلی رکعت میں **سورۃ ق** اور دوسری رکعت میں **سورۃ القمر** پڑھنا سنت میں ثابت ہے۔ (مسلم 878-891)۔

★ اگر کبھی عید اور جمعہ کا اجتماع ہو جائے تو لوگوں کو جمعہ کی نماز پڑھنے اور نہ پڑھنے میں اختیار ہے۔ (ابوداود 1070)

★ عید کے دن سنت سمجھ کر معانقہ کرنا بدعت ہے البتہ سفر سے آئے ہوئے شخص کے لئے کوئی حرج نہیں۔ (الصحیحہ 2647)

★ صحابہ کرام عید کے دن جب ایک دوسرے سے ملتے تو کہتے: تَقَبَّلَ اللّٰہُ مِنَّا وَمِنْکُمْ یعنی اللہ تعالی ہم سے اور آپ سے (نیک اعمال) قبول فرمائے. (تمام المنۃ ص 355)

★ عیدین کی رات کی کوئی فضیلت صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ (الضعیفۃ 21-520)

★قربانی کی اہمیت وفضیلت:

اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللهِ ....) (الحج (34) اور ہر امت کے لئے ہم نے قربانی کے طریقے مقرر فرمائے ہیں تاکہ وہ ان چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ تعالی نے انہیں دے رکھے ہیں۔

ارشاد باری ہے: (فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ) (الکوثر/2) آپ اپنے رب کے لئے نماز ادا کیجئے اور قربانی کیجئے"۔

اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ له---"[الانعام 162-163]

(آپ کہ دیجئے کہ میری نماز، میری قربانی، میرا مرنا اور جینا سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے جس کا کوئی شریک وساجھی نہیں ہے"۔

فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے: مَنْ وَجَدَ سَعَةً وَلَمْ يُضَحِ فلا يقربن مصلانا" [احمد 2/331 ابن ماجہ (3123). "وسعت کے باوجود قربانی نہ کرنے والا ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے"۔ (نیز دیکھئے: نصب الرایۃ (4/273)

ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے: " إِنَّ عَلَى كُلِّ أهل بيت في كل عام أضحية"- "(ابوداود 2788 ترمذی 1518 ابن ماجہ 3125) ہر گھر والے پر ہر سال قربانی ہے۔

قربانی کی فضیلت میں چند مشہور مگر ضعیف روایات- :

1- عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت ہے: " عید الاضحیٰ کے دن اللہ کے نزدیک انسان کا سب سے پسندیدہ عمل قربانی کرنا ہے اور یہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں، کھروں اور بالوں وغیرہ

کے ساتھ آئے گا، اور خون زمین پر گرنے سے پہلے بارگاہ الٰہی میں مقبول ہو جاتا ہے، پس اس سے اپنے نفس و قلب کو خوش کرو۔ (ابن ماجہ 3126-الضعیفۃ (526)

2 -زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام نے کہا اے اللہ کے رسول ! یہ قربانی کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، اس پر صحابہ کرام نے پوچھا اے اللہ کے رسول ہمارے لئے اس قربانی میں کتنا اجر و ثواب ہے؟ آپ نے فرمایا: ہر بال کے بدلے ایک نیکی ہے، صحابہ نے پھر سوال کیا کہ پشم (اون) کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا: اون کے ہر بال کے بدلے بارگاہ الٰہی میں ایک نیکی ملے گی۔ {ابن ماجہ 3127 -الضعیفۃ (527)}

3. اپنے قربانی کے جانوروں کو خوب موٹا اور فربہ کیا کرو کیونکہ یہ پل صراط پر تمہاری سواریاں ہوں گی۔ [الضعیفۃ 74-2687]

4 . قربانی کا افضل جانور وہ ہے جو سب سے زیادہ مہنگا، موٹا اور فربہ ہو۔ (الضعیفۃ 1678)

5 . جس نے بطیّب خاطر اور ثواب کی نیت سے قربانی کی تو اس کی یہ قربانی اس کے لئے جہنم سے آڑ اور پردہ بنے گی۔ (الضعیفہ نمبر 529)۔

نوٹ: ابن العربي مالکی رحمۃ اللہ علیہ ترمذی کی شرح عارضۃ الاحوذی میں لکھتے ہیں: قربانی کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ (عارضۃ الأحوذی 6/288)

قربانی کی مشروعیت پر دلالت کرنے والے نصوص :

اللہ تعالی نے فرمایا: (فصل لربك وانحر) (الکوثر 2) پس تو اپنے رب کے لئے نماز پڑھ اور قربانی کر۔ ارشاد باری ہے: "وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللهِ فِي ايام مُعْلُومَت عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الانعام

فکلوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِير "اوران مقررہ دنوں میں اللہ کا نام یاد کریں ان چوپایوں پر جو پالتو ہیں، پس تم خود بھی کھاؤاور بھوکے فقیروں کو بھی کھلاؤ۔

﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ﴾ الحج 34

ہر امت کے لئے ہم نے قربانی کے طریقے مقرر فرمائے ہیں تاکہ وہ ان چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں دے رکھے ہیں۔

﴿الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٣٥﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُم مِّن شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذَٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٣٦﴾ لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ ..﴾[الحج ۳۵-۳۷]

قربانی کے اونٹ پر ہم نے تمہارے لئے اللہ کی نشانیاں مقرر کر دی ہیں، ان میں تمہیں نفع ہے پس انہیں کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو، پھر جب ان کے پہلو زمین سے لگ جائیں تو اسے (خود بھی) کھاؤ اور مسکین سوال سے رکنے والوں اور سوال کرنے والوں کو بھی کھلاؤ، اس طرح ہم نے چوپاؤں کو تمہارے ماتحت کر دیا ہے کہ تم شکر گزاری کرو، اور اللہ تعالی کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے اور نہ خون بلکہ اسے تو تمہارے دل کی پرہیز گاری پہونچتی ہے۔الحج 28-34-36-37)

اللہ نے فرمایا: ﴿وفديناه بذبح عظيم ، وتركنا عليه في الأخرين﴾ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے دیا۔ اور ہم نے ان کا ذکر خیر پچھلوں میں باقی رکھا۔[الصافات/107-108]

دنیائے انسانیت کی تاریخ میں پہلی قربانی آدم کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کی تھی۔ (المائدۃ28)

اور موجودہ قربانی کی تاریخ ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام سے شروع ہوتی ہے۔

[الصافات ۱۰۰ تا ۱۰۸]

★قربانی کی مشروعیت پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔[المغنی 360/13]

قربانی کے مسائل:

★رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور صحابہ کرام سے بحالت سفر میں بھی قربانی کرنا ثابت ہے۔

(احمد 3/335، ترمذی 1510)

★قربانی جیسی اہم عبادت کی قبولیت کے لئے بھی دو شرطیں ضروری ہیں۔پہلی شرط اخلاص دوسری شرط اتباع رسول یعنی وہ سنت کے موافق ہو۔(الحج 37-الکہف 110، مسلم 1718)

★قرض لے کر قربانی کی جاسکتی ہے۔(مجموع الفتاوی 305/26)

نوٹ: یادرہے کہ قرض لے کر قربانی کرنے کے سلسلے میں دار قطنی میں عائشہ رضی اللہ عنہ سے آنے والی مرفوع روایت ضعیف ہے۔(دیکھئے نصب الرایہ 4/273)

★قربانی صرف آٹھ قسم کے جانوروں ہی میں محدود ہے، دو بھیڑ کی قسم سے (نر و مادہ)، دو بکری کی قسم سے، دو گائے کی قسم سے اور دو اونٹ کی قسم سے۔(الانعام 145)

★گائے پر قیاس کر کے بھینس کی قربانی کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔(المرعاۃ 5/82)

نوٹ: "الجاموس في الأضحية عن سبعة" یعنی قربانی میں بھینس سات افراد کی طرف سے ہو گی.

یہ روایت ضعیف ہے۔[دیکھئے الفردوس للدیلمی 2472 بحوالہ عید قرباں کے احکام ص 119]

★ابو امامہ بن سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم مدینہ میں جانوروں کو پال کر خوب موٹا تازہ کیا کرتے تھے اور دیگر مسلمان بھی جانوروں کو خوب پالتے اور فربہ کرتے تھے۔ (بخاری۔تعلیقا۔ فتح الباری 10/10)

قربانی کے جانور کا چار عیوب سے پاک ہونا بہت ضروری ہے: (1) لنگڑا، جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو (۲) کانا، جسکا کانا پن ظاہر ہو (۳) بیمار کہ جس کی بیماری نمایاں ہو (۴) کمزور، لاغر کہ جس کی ہڈی میں گودا نہ ہو۔ (ابوداود 2802 ترمذی 1497، نسائی، ابن ماجہ)

نوٹ: قربانی کے جانور کے دوسرے عیوب مختلف فیہ ہیں۔ جانور کا خصی ہونا عیب نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ نے خصی جانور کی قربانی کی ہے۔ (احمد 6/136 ابن ماجہ 3122)

★حاملہ جانور کی قربانی بلاتردد جائز ہے۔ (مجموع الفتاوی 307/26)

★دودھ دینے والے جانور کی قربانی کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ (مسلم: 2038، ابن ماجہ باب النہی عن ذبح ذوات الدر 3180)

★حجۃ الوداع میں آپ ﷺ سے گائے کی قربانی (ازواج مطہرات کی طرف سے) کرنا بھی ثابت ہے۔ (بخاری 1709)

★اونٹ اور گائے میں سات افراد شریک ہو سکتے ہیں۔ (مسلم 1318)

★ایک جانور کی قربانی پورے گھر والوں کی طرف سے کافی ہو جاتی ہے۔ (ترمذی 1505، ابن ماجہ 3147 وغیرہ)

نوٹ: قربانی کے جانور میں عقیقہ کا حصہ دینا نہ تو رسول پاک ﷺ سے ثابت ہے اور نہ ہی خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرام سے بلکہ کسی ضعیف روایت سے بھی اسکا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے۔ (تحفۃ المولود ص 82)

★قربانی کے جانور کی تبدیلی جائز اور درست ہے اگر اس سے بہتر لینے کی نیت ہو۔
(المغنی 383/13)

★ بھیڑ کے علاوہ قربانی کے تمام جانوروں کا دانتا ہونا ضروری ہے۔ (مسلم 1963)

★قربانی کرنے کے بجائے جانور یا اس کی قیمت صدقہ کر دینے سے قربانی کا ثواب نہیں ملتا ہے۔
(المبسوط 6/171، المرعاۃ 5/73)

★ نماز عید سے پہلے قربانی درست نہیں اگر کسی نے کر دی ہو تو اس کو دوبارہ نماز عید کے بعد قربانی کرنی ہوگی۔ (اس میں دیہات اور شہر کی کوئی قید نہیں ہے). (بخاری 5561)

★قربانی کے دو طریقے ہیں: ایک نحر، دوسرا ذبح، اونٹ کے علاوہ قربانی کے دیگر جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے۔ (بخاری 1713، ابوداود 1767 البقرۃ: 67)

نحر کا طریقہ: اونٹ کو کھڑا کر کے اس کی اگلی بائیں ٹانگ اور ران کو باہم باندھ دیا جائے اور اسے تین ٹانگوں پر کھڑا کر کے تکبیر اور دعا پڑھ کر اس کے سینہ اور گردن کی جڑ کے درمیان والی گڈھا نما جگہ میں نیزہ یا کوئی تیز دھار والا آلہ مارا جائے، (یہاں تک کہ جانور کمزور ہو کر گر جائے اور ذبح کرنا آسان ہو جائے۔) (عید قرباں کے احکام و مسائل ص 135)۔

ذبح کا طریقہ: جانور کو قبلہ رو کر کے اس کو بائیں پہلو پر لٹا دیا جائے اس کے بعد ذابح (ذبح کرنے والے) اپنا دایاں پاؤں جانور کی گردن پر رکھے پھر یہ دعا پڑھ کر کے ذبح کرے: بِسْمِ اللهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُم مِنكَ وَلَكَ اللَّهُمْ تَقَبَّلُ منى أَوْ مِنْ فلان- (بخاری 5564-65 مسلم 1966، ابوداود 2795-احمد 3/375، دارمی، بیھقی 284-19/285) (اگر قربانی دوسرے کی طرف سے کر رہا ہو تو "فلان" کی جگہ اسکا نام لے)۔

★ذبح سے پہلے چھری خوب تیز کر لینی چاہئے۔ (مسلم 1955)

★اگر ذبح کرتے وقت جانور ہاتھ سے چھوٹ کر بے قابو ہو جائے تو جانور کی ران یا کسی بھی جگہ دھار دار ہتھیار سے ضرب لگا کر خون بہا دیا جائے تو کافی ہو جاتا ہے اور ذبیحہ حلال ہے. (بخاری 5503)

★ذبح کرتے وقت جانور کے سر کا تن سے جدا ہو جانا کوئی عیب نہیں ہے، ذبیحہ حلال ہے۔(فقہ السنۃ 2/26- مسائل قربانی مع توضیحات عینی ص 75)

★ذبیحہ جانور کی گردن مروڑنا منع ہے۔(ضعیف: طبرانی، ابن عدی دیکھئے: نصب الرایہ 4/256)

★ ذبح کے بعد کسی دعا کا ثبوت نہیں۔ (جیسے: اللهم تقبله مني كما تقبلت من حبيبك محمد ومن خليلك ابراهيم .. وغیرہ) (مسائل قربانی ص 72)

★قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا زیادہ بہتر ہے۔(بخاری 5558)

★عورتیں بھی اپنے ہاتھ سے قربانی کا جانور ذبح کر سکتی ہیں، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنی لڑکیوں کو اپنے ہاتھوں سے قربانی کا جانور ذبح کرنے کا حکم دیتے تھے۔

(بخاری تعلیقا کتاب 73 باب 10 عبد الرزاق 8169)

★رات میں قربانی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

نوٹ: (ممانعت کے سلسلے میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ضعیف ہے۔ دیکھیں: التلخیص الحبیر 4/142)

★یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) کو قربانی کرنا افضل ہے۔ اس کے بعد مزید تین دن گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ (جن کو ایام تشریق کہا جاتا ہے) بھی قربانی کے ایام ہیں۔ (دار قطنی 4/284 بیہقی

9/296, نصب الرایۃ4/278احمد وابن حبان، صحیح الجامع 4537،الصحیحۃ2476، مناسک الحج والعمرۃ للألبانی ص 35)

★قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کے بعد جو خون بہہ جاتا ہے وہ خون حرام ہوتا ہے، اس کو دیواروں اور مکانوں پر لگانا جاہلانہ مشرکانہ فعل ہے، اسی کام سے باز رکھنے کے لئے یہ آیت "لَن يَنَالَ ٱللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ ٱلتَّقْوَىٰ مِنكُمْ". (الحج 37) نازل ہوئی تھی یعنی "اللہ تعالی کو قربانی کا گوشت اور نہ اس کا خون پہنچتا ہے بلکہ اس کے یہاں تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر 3/298)

★ذبح کے بعد کھال (چمڑا) چھڑانے کے لئے اس وقت تک انتظار کرنا چاہیئے جب تک کہ اس کا بدن بے حرکت نہ ہو جائے۔ (مسائل قربانی ص 77)۔

★قصاب کی مزدوری اپنے پاس سے دینی ہو گی یعنی قربانی کا گوشت، چمڑا وغیرہ بطور مزدوری قصاب کو نہیں دینا چاہیے۔ (بخاری 1716 مسلم 1317)

★قربانی کے گوشت کو لازما بطور تحدید تین حصوں میں برابر برابر تقسیم کرنے کی کوئی صحیح مرفوع حدیث ثابت نہیں ہے۔ واللہ اعلم

★قربانی کا گوشت خود کھاؤ اور دامن قناعت تھامنے اور دربدر دست سوال دراز کرنے والوں کو کھلاؤ۔ (الحج 36)

★قربانی کا چمڑا یا تو کسی کو دے دو یا پھر اپنے گھریلو مصرف جیسے مصلی وغیرہ بنانے میں اس کو استعمال کرلو۔ (نیل الاوطار 5/191، فتح الباری 3/557)

★رسول اللہ ﷺ کی طرف سے قربانی کے سلسلے میں علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ضعیف ہے-(ترمذی 1495، ابوداود 2790 البانی رحمہ اللہ نے ضعیف کہا ہے)

★جنین (پیٹ میں پرورش پانے والا بچہ) کی طرف سے قربانی درست نہیں۔ (موطا عن ابن عمر 1037)

★قربانی کے گوشت کے حقدار تمام مسلمان ہیں خواہ محتاج ہوں یا غیر محتاج، قریب ہوں یا بعید، پڑوسی ہوں یا غیر پڑوسی، خویش واقارب ہوں یا رشتہ دار، سوالی ہوں یا غیر سوالی, غرضیکہ قربانی کے گوشت سے فائدہ مسلمانوں کو پہنچنا چاہیئے۔ (حوالہ مذکور)

★قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو دیا جاسکتا ہے۔ (المغنی 13/381-قربانی فضائل و مسائل ص 71,72)

★قربانی کا گوشت اگر زیادہ ہے تو مہینوں رکھ کر کام میں لایا جاسکتا ہے، اور تین دن سے زیادہ ذخیرہ اندوزی سے منع کرنے والی روایت منسوخ ہے نیز قحط وضرورت کے ساتھ مخصوص ہے۔ (بخاری 5569)

اخیر میں اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو قرآن اور سنت صحیحہ کے مطابق عمل کرنے کی توفیق دے آمین یارب العالمین۔



ٹرسٹ کی کارکردگی ایک نظر میں

ناظم ٹرسٹ

1- 2022 میں عید الاضحیٰ کے موقع پر پمفلٹ شائع کیا گیا جس میں قربانی کے احکام و مسائل پر وضاحت کی گئی۔

2۔2022 کے اخیر میں ایک طالب علم کے لیے مکافہ شہریہ جاری کیا گیا، مالی تنگی کی وجہ سے یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔

3 .ایک طالب علم کے کینسر کی بیماری میں حتی المقدور ٹرسٹ کی جانب سے تعاون کیا گیا۔

4- 2024م / رمضان المبارک کے مہینے میں کل ہند مسابقہ حفظ حدیث کا انعقاد ہوا جس میں کل رجسٹرڈ طلبہ کی تعداد 420 جس میں طالبات کی تعداد 40 رہی، اس مسابقے میں طالبہ کے مابین انعامات کچھ اس طرح تقسیم کیا گیا 90 سے زائد نمبر حاصل کرنے والے طالب کو ایک ہزار، 85 سے 89 کے درمیان 700 اور 80 سے 84 کے درمیان 500 دیے گئے اور تمام مشارکین کو شہادۃ الحضور سے بھی نوازا گیا۔

5- 2024م میں ٹرسٹ کی جانب سے اعلان کیا گیا ہے کہ سعودی جامعات میں اپلائی کرنے کے لیے تمام کاغذات کا ترجمہ فری میں کیا جاتا ہے جس کے تحت طلبہ کی ایک کثیر تعداد کے ڈاکومنٹس کا ترجمہ کیا گیا۔

6. 2024فروری میں جامعہ اسلامیہ دریاباد میں منعقد مسابقہ حفظ متون میں 14 ٹاپر طلباء کو پانچ پانچ سو نقد روپیہ انعام کے طور پر نوازا گیا۔

7- 2024 ماہ جنوری سے ٹرسٹ کی جانب سے سہ.برقی مجلّہ شائع کیا گیا جسکا دوسرا شمارآپ قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔

8-2024م/ جنوری میں ایک پروجیکٹ نشر کیا گیا جس کی تفصیل پہلے شمارے میں نشر ہوا۔

9- ٹرسٹ کی جانب سے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے ذریعے طلبہ مدارس کی اعلی تعلیم کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔

اعلان :

1. ٹرسٹ کے شعبے ثقافت کی طرف سے مکاتب اسلامیہ میں عقائد پر مسابقات کا اعلان جلد ہی نشر کیا جائے گا۔

2. ٹرسٹ کے شعبہ یتامیٰ ومساکین کی جانب سے نئے تعلیمی سال پر پانچ ایسے طلبہ کی کفالت کی ذمہ داری لیناجو مالی حالت کی تنگی کی وجہ سے تعلیم کو جاری نہیں رکھ سکتے۔

3. سعودی جامعات میں کاغذات کو اپلائی کرانے یا ترجمہ کرانے کے لیے ٹرسٹ کی طرف سے ایک ٹیم کی تشکیل۔

4. یوپی و بہار میں تعلیم کو فروخت و تحریک پر جلد ہی ان شاء اللہ اعلان نشر کیا جائے گا۔

تعاون کی اپیل

آپ تمام اہل خیر حضرات سے اس ماہ مبارک میں تعاون کی اپیل کی جارہی ہے کیونکہ ٹرسٹ کا لائحہ عمل تیار ہے جس میں مندرجہ ذیل کام ان شاء اللہ انجام دیے جائیں گے :

1- چند محتاج اور ضرورت مند لوگ جو تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں اور کچھ مادی پریشانیوں کے سبب اپنی تعلیم سے دور ہیں یا تعلیم حاصل کرنے سے محروم ہیں ان کی کفالت کی مکمل ذمہ داری۔

2- مکاتب اسلامیہ میں بچوں کو عقیدے کی بنیادی معلومات اور انہیں حقیقی دین اور عقیدے سے متعارف کرانے کے لیے ٹرسٹ کی جانب سے مسابقے کا انعقاد۔

3- ہندوستان کے وہ طلبہ جو ہندوستان میں رہ کر ہی کسی یونیورسٹی میں مزید تعلیم کے متمنی ہیں ان کے لیے ٹرسٹ نے الحمدللہ الگ سے ایک شعبہ قائم کیا ہے جس کے ذریعے سے طلبہ کی مکمل رہنمائی کی جاتی ہے،

مزید یہ کہ ٹرسٹ نے ایک لائحہ عمل تیار کیا ہے جسمیں یہ ہے کہ ہندوستان کے چند صوبوں میں "تعلیم کو فروغ دو" تحریک شروع کی جائے جس میں ایک اچھے خاصے بجٹ کی ضرورت۔

اس لیے آپ تمام اہل ثروت حضرات سے اس رمضان المبارک میں بڑھ چڑھ کر تعاون کی گزارش ہے تاکہ ہم اپنے مقاصد میں بآسانی کامیاب ہو سکیں۔

پیشگی معذرت کے ساتھ چند وجوہات کی بناپر ابھی ٹرسٹ کا اکاؤنٹ نہیں کھل سکا ہے۔

پیسے کا سارا معاملہ ہمارے خازن محترم کے ذمے ہیں آپ ان کے اکاؤنٹ میں پیسے بے فکر ہو کر ٹرانسفر کریں اور سلپ خازن کے پاس یا ناظم کے پاس ضرور بھیجیں تاکہ رسید بھیجنے میں آسانی ہو۔

خازن ٹرسٹ: گوگل پے/فون پے: +91 73888 09160



ناظم ٹرسٹ

+91 95541 75740